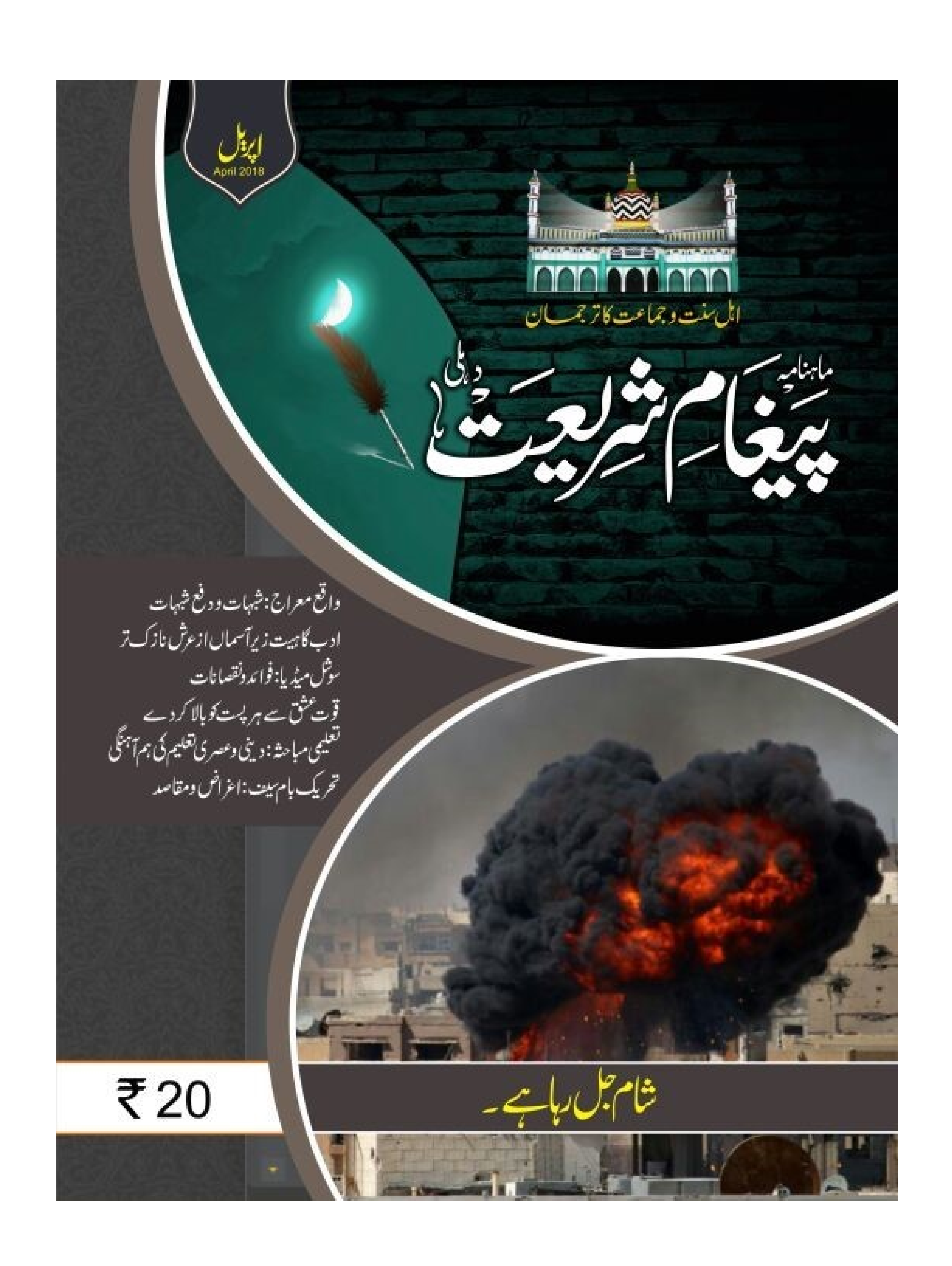

اپریل
April 2018
اہل سنت وجماعت کا ترجمان
ماہنامہ
پیغام شریعت
دہلی
واقعۂ معراج: شبہات ودفع شبہات
ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
سوشل میڈیا: فوائد ونقصانات
قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
تعلیمی مباحثہ: دینی وعصری تعلیم کی ہم آہنگی
تحریک بام سیف: اغراض ومقاصد
₹ 20
شام جل رہا ہے۔



رجب المرجب وشعبان المعظم ۱۴۳۹ھ | جلد ۴ | شمارہ نمبر ۳۱ | APRIL-2018

ایک شمارہ کی قیمت 20 روپے، سالانہ قیمت: 200 روپے، بیرون ممالک کے لیے: 50 ڈالر خلیجی

طابع، ناشر، مالک محمد قاسم نے اعلیٰ پرنٹنگ پریس 3636 کٹرا دینا بیگ، لال کنواں، دہلی-6 سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "پیغام شریعت" 442، سیکنڈ فلور، گلی سروتے والی، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی-6 سے شائع کیا۔

ترسیل وزر کا پتہ

PAIGHAM E SHARIAT
Monthly
House No. 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali,
Matia Mahal Jama Masjid Delhi-110006
Mob: 9911062519, 011-23260749
Email: paighameshariat@gmail.com
Indian Bank, A/c. Name: Paighameshariat
A/c. No. 6409744750, IFSC Code IDIB000J033

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی
مکہ پبلیشر دہلی
گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی۔ ۶
آفس کا فون نمبر: Ph: 011-23260749, Mob: 9911062519

فہرست مضامین

{نوٹ}

اداریہ

ملکِ شام جل رہا ہے!

اس مہذب دور میں تاریخ کی طویل ترین خانہ جنگی؟

از: مفتی فیضان المصطفیٰ قادری (امریکہ)

ملک شام مغربی ایشیا میں واقع ہے جس کی مغربی سرحد لبنان اور بحرمردار سے ملتی ہے۔شمال میں ترکی ہے اور مشرق میں عراق، جنوب میں اردن اور جنوب مغرب میں اسرائیل ہے۔مغربی گولان کی پہاڑیاں ۱۹۶۷ء سے اسرائیل کے کنٹرول میں ہیں۔دمشق دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر ہے۔اس کا تاریخی ورثہ دنیا کی قدیم ترین تاریخوں میں سے ایک ہے۔اس نے مختلف عہد میں دنیا کے سیاسی نظام کے بست وکشاد میں قائدانہ رول ادا کیا ہے، لیکن اس وقت اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے۔جس ملک شام نے عہد عتیق میں عالمی قوتوں کے سامنے اپنا ایک مقام بنایا تھا اور اسلام کے ابتدائی دور میں اس عہد کی سوپر پاور ساسانی حکمرانوں کو ناکوں چنے چبوائے تھے، اور کسریٰ پر جس کی فتح کی بشارت لے کر سورۂ روم نازل ہوئی تھی، وہ اب تاریخ کی طویل ترین خانہ جنگی سے گزر رہا ہے۔یہ وہی خطہ ارضی ہے جس نے بنوامیہ کے عہد خلافت میں اسلامی دنیا کی قیادت کرتے ہوئے باقی دنیا پر اپنی سطوت کا سکہ جمایا تھا، آج وہ اپنے ہی باشندوں سے اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔دمشق کی فصیلوں نے نہ جانے کتنے کشور کشاؤں اور سیاسی طالع آزماؤں کو آتے جاتے دیکھا ہے۔یہ وہی دمشق ہی جس کے قلعوں کی تسخیر سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے جانبازوں نے کی تھی، آج وہ مختلف عالمی قوتوں کی رزم گاہ بن گیا ہے۔ ایک طرف روس بشارالاسد کی نصرت وحمایت کا لبادہ اوڑھ کر باغیوں کی تنصیبات پر اندھادھند بمباری کر رہا ہے تو دوسری طرف ایران بھی کھل کر میدان میں صرف اس لیے آ گیا ہے کہ صدر بشارالاسد کا شجرۂ دین ومذہب کہیں نہ کہیں اس کے اپنے ریاستی دین ومذہب سے جاملتا ہے۔ لبنانی حزب اللہ کے جنگ جو بھی میدان میں اپنے جوہر دکھارہے ہیں، چنانچہ شام کے سنی مسلمانوں کو کچلنے شیعہ لابی اور ہم نوا ایک ہو گئے ہیں۔

ملک شام کی اسلامی تاریخ سے وابستگی

حضور اقدس سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کے اندر اُن چنگاریوں میں شام کے محلات نظر آئے تھے جو خندق کی ناقابل تسخیر چٹان پر آپ کے ہتھوڑے کی کاری ضرب سے نمودار ہوئی تھیں، بلکہ یہ بات بھی سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والدہ مکرمہ کے جسم سے ایسا نور چمکا تھا جس سے شام کے محلات ان پر روشن ہو گئے تھے، اس سے واضح اشارہ مل گیا تھا کہ یہ مملکتیں حدود اسلام میں شامل ہوں گی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نوجوانی اور پھر جوانی میں دو سفر ملک شام کی طرف کیے۔پہلے سفر میں بحیرا راہب اور دوسرے سفر میں نسطورا راہب سے ملاقات کا ذکر ملتا ہے۔گو یہ دونوں سفر تجارتی مقاصد کے تحت کیے گئے تھے، لیکن اس سے شام سے محبت کے دواعی پیدا ہو گئے تھے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت جب کہ ملک شام اسلامی قلمرو میں شامل نہیں تھا اور نہ ہی بظاہر اس کے اسباب واضح تھے، اس کے حق میں دعا فرمائی تھی، آپ کا دعائیہ جملہ: **اللهم بارك لنا في شامنا**'' جس میں شام کو اپنی طرف منسوب کیا گیا ہے

اہلیانِ شام کے کانوں میں رس گھولتا ہوگا، توریت شریف میں تو یہ بشارت دی گئی تھی کہ آخری نبی مکہ میں پیدا ہوں گے، طیبہ ہجرت کریں گے اور شام میں ان کی حکومت ہوگی۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اس بشارت کو ایک مشن کے طور پر اپنے پروگرام میں شامل کیا۔

شام کے خطے میں پہلی جنگی کاروائی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ دومۃ الجندل کی طرف ایک لشکر بھیجا، پھر اس کے بعد موتہ اور تبوک کی کاروائی بھی اسی جہت میں تھی، گرچہ ان کاروائیوں کے مقاصد دفاعی حد تک محدود تھے، لیکن انھیں پیش قدمیوں سے قیصر روم اور قرب وجوار کی مملکتوں کو پیغام بھی مل گیا ہوگا۔ اسی دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آفاقی دعوت پر کام شروع کیا اور مختلف ممالک کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی تو ایک خط روم کے بادشاہ قیصر کو بھی ارسال کیا، اس خط کا متن، اس پر قیصر روم کا ردعمل اور بھرے دربار میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابوسفیان سے قیصر کا انٹرویو امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری کے شروع میں ہی پوری تفصیل سے درج فرمادی ہے۔

خلافت راشدہ کے دور میں آفاقی دعوت وتبلیغ پر کام کا آغاز جنگی پیمانے پر شروع ہوا، اور عہد فاروقی میں اس سلسلے میں ایران اور شام دونوں جہتوں میں بڑے پیمانے پر جنگی کاروائی کی گئی۔ ملک شام کی مہم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 640 عیسوی میں دمشق پر فتح کے جھنڈے گاڑ دیے، یوں شام فتح ہوکر اسلامی سلطنت میں شامل ہوگیا، اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا گورنر بنادیا گیا، پھر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صلح ومصالحت کا تاریخی کردار ادا کرتے ہوئے جب خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے کردی تو شام کی سرزمین سے خلافت بنوامیہ کا دور شروع ہوا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دمشق کو دارالخلافہ قرار دیا۔ تقریباً سوسال تک یہ اموی خلافت جاری رہی، جس کے بعد 750 عیسوی میں سفاح نے اس کا خاتمہ کرکے عباسی خلافت قائم کی، جس کے بعد دارالخلافہ دمشق سے بغداد منتقل کردیا گیا۔

887 میں مصری سلطنت نے اسے اپنے ساتھ ملالیا، پھر سیف الدولہ نے قبضہ کیا، اس کے بعد صلیبی جنگوں کا دور شروع ہوا، جس کے دوران شام کے مختلف خطوں پر مختلف یورپی ملکوں نے اقتدار جمایا۔ 1098 تا 1198 کے دوران فرانس، برطانیہ، اٹلی اور جرمن کی ولایتوں کے ذریعہ یہاں کے سیاسی امور سرانجام پاتے رہے، پھر 1400 میں تیمور لنگ نے حملہ کرکے اس پر اپنے اقتدار کے پرچم لہرائے، لیکن ترکی کے عثمانی سلاطین نے 1516 میں اس کو اپنے قلمرو میں شامل کیا، اور یہ پہلی جنگ عظیم تک سلطنت عثمانیہ کے زیر حکومت رہا، پھر فرانس کی کالونی بن گیا، اور دوسری عالمی جنگ کے بعد اس کو آزادی ملی، لیکن 1973 میں حافظ الاسد کی غلامی میں جا پہنچا۔ جیسا کہ خطہ عرب پر مسلط اکثر حکومتیں شخصی اور آمرانہ نوعیت کی رہی ہیں، یہی حال حافظ الاسد کے پورے دور حکومت کا رہا ہے، چنانچہ 1973 میں اقتدار میں آنے والے حافظ الاسد نے شامی عوام کو اپنا غلام سمجھتے ہوئے ہر قسم کی آزادی سلب کرلی اور ملک کے ہر سیاہ وسپید کا بلاشرکت غیرے خود کو مالک سمجھ بیٹھا۔

2000 میں صدر حافظ الاسد کے انتقال کے بعد اس کے جانشین کی حیثیت سے صدر بشار الاسد نے کمان ہاتھ میں لی، اور شام کے پورے نظام سلطنت کو اپنی موروثی جاگیر سمجھتے ہوئے مسند اقتدار پر قبضہ جمالیا۔ 2010 میں جب تیونیشیا میں حکومت کی تبدیلی کی تحریک شروع ہوئی، جسے ''بہارِ عرب'' کا نام دیا گیا تو اس کی ہوائیں عرب کے دوسرے ممالک تک پہنچنے لگیں، جس کے بعد مصر اور لیبیا کے صدور کے آمرانہ دور کا خاتمہ ہوا۔ شامی باشندے بھی اس ''بہارِ عرب'' سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور اپنے وطنِ عزیز میں بھی جمہوریت کی بحالی کے خواب دیکھنے لگے، اور ان میں آزادی کی توقعات بیدار ہوئیں۔ اسی سال کچھ نوجوان اس بہارِ عرب کے خیر مقدم اور حمایت میں سامنے آئے، جنھیں حکومتِ وقت نے فوری حراست میں لے لیا، اور ان میں سے ایک کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس واردات نے حکومت کے خلاف احتجاج کی چنگاری بھڑکادی، جس کے نتیجہ میں عوام سڑکوں پر آگئے۔ حکومت صدائے احتجاج سننے کی عادی نہ تھی، لہٰذا اس نے اسے اپنی شان میں گستاخی سمجھا، اور صدر بشار الاسد نے اس احتجاج کو طاقت کے زور پر کچلنے کا فیصلہ کیا۔ سیکڑوں احتجاج کنندگان قتل کردیے گئے، اور سیکڑوں کو

قید کر دیا گیا، جس کے بعد جولائی 2011 میں شامی فوج کے متاثرہ افراد نے ''فری سیرین آرمی'' تشکیل دی، جسے باغی گروپ قرار دیا گیا۔
یہ باغی فوج حکومتی کارروائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے میدانِ عمل میں کود پڑی۔ یہیں سے شام میں خانہ جنگی کا دور شروع ہوا۔ شروع میں اس خانہ جنگی نے فرقہ وارانہ شکل اختیار نہیں کی تھی، لیکن بعد میں یہ رنگ بھی شامل ہو گیا۔ ملک کی اکثریت سنی مسلمانوں پر مشتمل ہے، اور بشارالاسد کا تعلق علوی فرقہ سے ہے، اس لیے بشارالاسد کسی بھی قیمت پر اپنا تسلط برقرار رکھنے پر بضد رہے، اور اس مقصد کے لیے اس نے بیرونی قوتوں سے مدد لینے میں بھی دریغ نہ کیا، جس کے نتیجہ میں آج کئی ملکوں کی فوجیں شام کی سرحدوں میں داخل ہو کر اس خانہ جنگی میں اپنا اپنا رول ادا کر رہی ہیں۔ روس 2015 میں شام کا حلیف بن کر اس جنگ میں کود پڑا، اور شیعہ اکثریت والے ممالک مثلاً ایران، عراق، لبنان کی حزب اللہ بھی بشارالاسد کی حمایت میں آگئے۔ دوسری طرف سنی اکثریت والے ممالک مثلاً ترکی، قطر، سعودیہ عربیہ نے باغیوں کو مالی امداد فراہم کی۔ اسی دوران داعش کی مصیبت کھڑی ہو گئی، یا کھڑی کی گئی، جس کے بہانے امریکہ کو بھی داخلے کا راستہ مل گیا۔ سابق صدر اوباما نے اپنے دور میں شام کو وارننگ دی تھی کہ شامی فوج نے کیمیکل اسلحے استعمال کیے تو اس پر امریکہ مداخلت کر سکتا ہے۔
اسرائیل نے بھی موقع غنیمت جانتے ہوئے شام پر ہوائی حملے کیے، جس کا مقصد حکومت کے حمایتیوں اور حزب اللہ کو نشانہ بنانا تھا۔ امریکہ گو کہ بشارالاسد کی حکومت کے خلاف رہا ہے، لیکن اس نے روس کی طرح کھل کر سامنے نہیں آیا۔ پہلی بار اپریل 2017 میں امریکہ نے ٹام ہاک کروز میزائل کے ذریعہ شام کی ان تنصیبات پر حملے کیے، جہاں سے حکومتی فوج نے عوام الناس پر مبینہ کیمیکل حملے کیے تھے۔
خلاصہ یہ کہ آج کا شام متعدد عالمی قوتوں کا اکھاڑہ اور علاقائی شدت پسندوں کی رزم گاہ بن گیا ہے۔ جس کو شہر اولیا وابدال قرار دیا گیا اور جسے نزول حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا مقام بتایا گیا ہے، اس کی موجودہ حالت یہ ہے کہ آدھا ملک تباہ ہو چکا ہے اور باقی بم و بارود کے ڈھیر پر ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں نہ جانے کتنی آبادیاں ویران ہو گئیں، کتنی عمارتیں زمیں بوس ہو گئیں، کتنے ثقافتی ورثے نیست و نابود ہو گئے۔ مارچ 2010 میں شروع ہونے والی اس خانہ جنگی کو 15: مارچ کو آٹھ سال مکمل ہو جائیں گے، جب سے اب تک 465000 لوگوں کو قتل کیا جا چکا ہے، اور آدھی آبادی منتشر اور بے گھر ہو چکی ہے۔
شام کا موجودہ قضیہ اس قدر کثیر الجہات ہو گیا ہے کہ وہاں دنیا بھر کے جانبازوں کے لیے اپنے جوہر دکھانے کے لیے کوئی نہ کوئی عنوان موجود ہے۔ وہاں جب روس سرگرم کردار ادا کر رہا ہے تو امریکہ خاموش کیسے رہ سکتا ہے۔ حزب اللہ کی موجودگی اسرائیل کو بھڑکانے کے لیے کافی ہے، اور ایران کا عمل دخل سعودیہ عرب کو کچھ نہ کچھ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ بشمول شامی باشندے دنیا بھر کے عوام برسوں سے اس انتظار میں ہیں کہ اس خطے میں امن کب بحال ہوگا؟ کب زندگی معمول پر آئے گی؟ اور کب شامی مسلمان امن و سلامتی کی فضا میں سانس لے سکیں گے؟ لیکن مشرق وسطیٰ کو اپنی سیاست و معیشت کا مہرہ سمجھنے والی قوتیں اس تاک میں ہیں کہ کب اور کیسے اس جنگ میں زیادہ موثر کردار ادا کرنے کا موقع ملے، تاکہ اس خطے کی سیاست پر اپنا کنٹرول مضبوط کیا جا سکے۔ ☆☆☆☆☆

(۱) میگزین میں اسلامی احکام ومسائل کے ساتھ مسلم مسائل وضروریات پر بھی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ ان سے استفادہ کیا جائے۔
(۲) حالیہ دنوں میں قوم مسلم کے خلاف ملک ہند میں جو سازشیں جاری ہیں، ان فتنوں کے سد باب کے لیے مکمل توجہ دی جائے۔
(۳) علمائے کرام متعدد طبقات میں منقسم ہو کر قوم وملت کی مختلف خدمات انجام دیتے رہیں۔ کسی ایک جانب مشغولیت مناسب نہیں۔
(۴) ہند وپاک کے متعدد علمائے کرام اعتقادی امور کی اصلاح میں مشغول ہیں۔ ہند کے بہت سے علما ودانشوران مسلم مسائل کے حل کی تدبیروں میں مصروف ہیں، ہم ان تمام کے بے حد شکر گذار ہیں: جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء: آمین　　طارق انور مصباحی (کیرلا)

سولہویں قسط

مشکل احادیث اوران کاحل

از: مولانا کوثر امام قادری: مہراج گنج (یوپی)

کعبہ مقدسہ میں نماز رسول

{عن ابن جریج قال،قلت لعطاء:أ سمعت ابن عباس یقول:انما امرتم بالطواف ولم تؤمروا بدخوله قال: لم یکن ینهی عن دخوله ولکنی سمعته یقول:اخبرنی اسامة بن زید ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لما دخل البیت دعا فی نواحیه کلها ولم یصل فیه حتی خرج فلما خرج رکع فی قبل البیت رکعتین—وقال:هذه القبلة—قلت له:ما نواحیها؟ا فی زوایا ها؟ قال:بل فی کل قبلة من البیت}(صحیح مسلم:باب استحباب دخول الکعبہ)

ترجمہ: حضرت ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطا سے کہا: کیا آپ نے حضرت ابن عباس سے یہ سنا ہے کہ تم لوگوں کو طواف کا حکم دیا گیا ہے، کعبہ میں داخل ہونے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ حضرت عطا نے کہا۔ حضرت ابن عباس کعبہ میں داخل ہونے سے منع نہیں کرتے تھے، البتہ انہیں میں نے یہ فرماتے سنا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس وقت کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے تمام کونوں میں دعا مانگی، نماز نہیں پڑھی، حتی کہ آپ باہر تشریف لائے اور باہر آکر بیت اللہ کے سامنے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا: یہ قبلہ ہے۔ میں نے پوچھا: بیت اللہ کے کناروں اور اس کے گوشوں کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ بیت اللہ کی ہر جانب قبلہ ہے۔

اس حدیث میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ مقدسہ میں داخل ہوئے، مگر اس میں نماز نہیں پڑھی، جب کہ دوسری روایت اس کے خلاف ہے۔

{عن ابن عمر قال:قدم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یوم الفتح فنزل بفناء الکعبة وارسل الٰی عثمان بن طلحة فجاء بالمفتح ففتح الباب،قال:ثم دخل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وبلال واسامة بن زید وعثمان بن طلحة وامر بالباب فاغلق فلبثوا فیه ملیا ثم فتح الباب—فقال عبد اللّٰه:فبادرت الناس فتلقیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه خارجًا و بلال علٰی اثره فقلت لبلال:هل صلّٰی فیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال:نعم قلت:این؟قال:بین العمودین تلقاء وجهه،قال:ونسیت ان اسأله کم صلی؟}(صحیح مسلم:باب استحباب دخول الکعبہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں: فتح مکہ کے دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور صحن کعبہ میں اترے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا۔ انھوں نے کنجی لاکر پیش کی، اور دروازہ کھول دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ مقدسہ کے اندر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلال، حضرت اسامہ اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے دروازہ بند کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور یہ صحابہ کرام اس میں کافی دیر ٹھہرے رہے، اس کے بعد دروازہ کھول دیا گیا۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں میں جلد بازی کرتے ہوئے سب لوگوں سے پہلے

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے باہر ملا۔حضرت بلال آپ کے پیچھے تھے، میں نے حضرت بلال سے دریافت کیا: کیا حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی ؟انھوں نے کہا :ہاں، میں نے پوچھا: کس جگہ؟ انھوں نے کہا: ایسے سامنے کے دو ستونوں کے درمیان ۔حضرت ابن عمر کہتے ہیں ،میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ نے کتنی رکعت نماز ادا فرمائی۔

حل اشکال

پہلی روایت میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صراحت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کعبہ مقدسہ میں نماز نہیں پڑھی تھی، جب کہ دوسری روایت میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کعبہ معظّمہ میں نماز ادا فرمائی تھی۔اس سے تعارض معلوم ہوتا ہے، جس کی وضاحت اور حل کے طور پر امام نووی فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ کے نفی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام کعبہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو دروازہ بند کر دیا گیا، اور سب دعا میں مشغول ہو گئے۔حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا کر رہے ہیں تو حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کسی کونے میں دعا کرنے لگے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دور تھے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب تھے، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ،جس کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریب ہونے کی وجہ سے دیکھ لیا اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوری کی وجہ سے نہ دیکھ سکے، علاوہ ازیں وہ دعا میں مشغول تھے اور حضور اقدس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیف نماز پڑھی تھی ،اس نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گمان کے اعتبار سے نفی کی ،اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کعبہ مقدسہ میں نماز پڑھنا ثابت تھا، کیونکہ انھوں نے اس کا مشاہدہ فرمایا تھا، اس لیے انھوں نے اثبات کی روایت کی۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعبہ معظّمہ میں لگی ہوئی تصویروں کو ہٹانے کے لیے پانی لا رہے تھے،اس لیے ان کو پتہ نہیں چلا اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ الگ الگ واقعات ہیں۔(شرح مسلم،نووی: جلد۱ص۴۲۵)

بالغ کے دودھ پینے سے حکم رضاعت

{عن عائشة قالت:دخل عَلَيَّ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعندى رجل قاعد فاشتد ذلک عليه ورأيت الغضب في وجهه قالت،فقلت:يا رسول اللّٰه! انه اخى من الرضاعة–قالت،فقال:انظرن اخوتكن من الرضاعة– فانما الرضاعة من المجاعة} (صحیح مسلم :کتاب الرضاعۃ)

ترجمہ:ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے ،اس حال میں کہ میرے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ ناگوار گزرا، اور میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر غضب کے آثار دیکھے۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے رضاعی بھائیوں کو دیکھ لیا کرو، کیونکہ رضاعت وہی ہے جو بھوک کے ایام میں ہو۔

{عن ام سلمة قالت:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:لا يحرم من الرضاعة الاما فتق الامعاء فى الثدى و كان قبل الفطام} (جامع الترمذی:ص۱۸۶)

ترجمہ:ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رضاعت سے حرمت اس وقت تک ثابت ہوتی ہے جب پستان کا دودھ بچہ کی انٹریوں میں سختی سے پہنچے (یعنی اس کی غذا بنے)،اور یہ اس کے کھانا کھانے کی عمر سے پہلے ہے۔

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ حرمت رضاعت اسی وقت ثابت ہوتی ہے، جب بچہ نے ڈھائی سال سے کم عمر میں کسی خاتون

کا دودھ نوش کیا ہو، جب کہ دوسری روایت اس کے خلاف ہے۔

{عن عائشة ان سالمًا مولٰی ابی حذیفة کان مع ابی حذیفة واھله فی بیتھم فاتت تعنی ابنة سھیل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقالت: ان سالمًا قد بلغ ما یبلغ الرجال وعقل ماعقلوا، وانه یدخل علینا وانی اظن ان فی نفس ابی حذیفة من ذلک شیئًا فقال لھا النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: ارضعیه تحرمی علیه ویذھب الذی فی نفس ابی حذیفة فرجعت فقالت: انی قد ارضعته فذھب الذی فی نفس ابی حذیفة} (صحیح مسلم: کتاب الرضاعۃ)

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم حضرت حذیفہ کے مکان میں ان کے ساتھ رہتے تھے۔ حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئیں اور عرض کیں کہ سالم مردوں کی طرح جوان ہوگیا ہے، اور ان باتوں کو سمجھنے لگا ہے جن کو مرد سمجھتے ہیں، وہ ہمارے گھر آتا جاتا ہے اور میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ حضرت حذیفہ کو یہ ناگوار لگتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اس کو دودھ پلادو، تاکہ تم اس پر حرام ہو جاؤ، پھر ابو حذیفہ کے دل میں جو اس سے ناگواری آتی ہے، جاتی رہے گی۔ وہ دوبارہ آئیں اور عرض کیں کہ میں نے اس کو دودھ پلادیا اور ابوحذیفہ کے دل میں جو ناگواری تھی، جاتی رہی۔

حل اشکال

مذکورہ حدیث سے دو اشکال پیدا ہوئے۔ اول یہ کہ پہلی روایت کے یہ خلاف ہے۔ پہلی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ڈھائی سال کی عمر تک ہی بچہ دودھ پیئے تو رضاعت ثابت ہوگی، اور بعد والی حدیث سے معلوم ہوا کہ جوان آدمی بھی دودھ پی لے تو حرمت رضاعت ثابت ہوسکتی ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کا یہ نظریہ ہے کہ اس حدیث سے حکم عام مستنبط نہیں کیا جاسکتا کہ ہر بالغ مرد کو عورت اپنا دودھ پلا کر بیٹا بنالے۔ یہ صرف حضرت سہلہ بنت سہیل کے لیے رخصت تھی، اور حضرت سالم کی خصوصیت تھی، جیسا کہ حسب ذیل روایت سے ثابت ہے۔

{عن ام سلمة زوج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کانت تقول: ابٰی سائر ازواج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ان یدخلن علیھن احدًا بتلک الرضاعة وقلن لعائشة: واللّٰہ ما نری ھذا الا رخصة ارخصھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لسالم خاصة–فما ھو بداخل علینا احد بھذه الرضاعة ولا رائینا} (صحیح مسلم: کتاب الرضاعۃ)

ترجمہ: ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات نے اس قسم کی رضاعت کے ساتھ کسی کے گھر آنے سے انکار کیا اور سب نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا۔ اللہ کی قسم! یہ ایک خاص رخصت تھی جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سالم کو عطا فرمائی تھی، اور یہ صرف سالم کی خصوصیت تھی۔ اس رضاعت کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کو ہمارے سامنے نہیں لائے، اور نہ ہم اس کو جائز خیال کرتے ہیں۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ ایک اجنبی مرد کے لیے کیسے جائز ہوگا کہ وہ ایک اجنبی عورت کے پستان کو اپنا منہ لگائے؟ اس کے حل میں حضرت ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں کہ شاید حضرت سہلہ نے کسی برتن میں دودھ ڈال کر دیا ہو، اور سالم نے اس برتن سے وہ دودھ پی لیا ہو۔ علامہ ابن ہمام کے جواب کی تائید حسب ذیل روایت سے ہوتی ہے۔

امام ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ کسی چھوٹی سی ڈبیا یا برتن میں دودھ کی ایک چسکی ڈالی جاتی، پانچ دن تک روزانہ اس میں سے حضرت سالم کو ایک قطرہ پلایا جاتا۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۸ص ۲۷۱-الاصابۃ: ابن حجر عسقلانی جلد۴ص ۳۳۷)

حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو جوانی میں دودھ پلایا گیا اور حرمت رضاعت ثابت ہوگئی تو یہ صرف انہیں کہ لیے خاص تھا، دوسروں کے لیے جائز نہیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تبارک

وتعالیٰ نے یہ اختیار عطا فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی حکم عام سے کسی شخص کو الگ کر دیں، یعنی آپ کو اختیار تشریعی حاصل تھا۔ اس سے متعلق علمائے اسلام کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔

امام عبدالوہاب شعرانی شافعی فرماتے ہیں: **{كان الحق تعالٰى جعل له صلى الله عليه وسلم ان يشرع من قبل نفسه ماشاء كما في حديت تحريم شجر مكة فان عمه العباس رضى اللّٰه عنه لما قال له: يا رسول اللّٰه! الاالاذخر: فقال صلى الله عليه: الا الاذخر- ولوان الله تعالٰى لم يجعل له ان يشرع من قبل نفسه لم يتجرء صلى الله عليه وسلم ان يستثنى شيئًا مما حرمه الله}**

(میزان الشریعۃ الکبریٰ: جلداص ۴۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شریعت میں جو چاہیں، حکم مقرر فرمادیں، جس طرح حرم مکہ کے نباتات کو حرام فرمانے کی حدیث میں مذکور ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یارسول اللہ اذخر کو اس حکم سے نکال دیجئے! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذخر کے ماسوا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف سے احکام جاری اور نافذ کرنے کا اختیار نہ دیا ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرگز ایسا نہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام فرمایا، اس میں سے کسی کو مستثنیٰ فرمادیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا: **{ان للشارع صلى الله عليه وسلم ان يبيح ماشاء لقوم ويحرمه على قوم آخرين}** (میزان الشریعۃ الکبریٰ: جلداول ص ۷۵)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے یہ جائز ہے کہ کچھ لوگوں کے لیے کسی چیز کو جائز کردیں، اور دوسروں پر وہ چیز حرام فرمادیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: **{ان المرجع فى الاحكام انما هو الى النبى صلى الله عليه وسلم- وانه قد يخص بعض امته بحكم ويمنع غيره منه ولو كان بغير عذر}** (فتح الباری: جلداص ۱۶)

ترجمہ: احکام کا رجوع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے۔ بعض اوقات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کے بعض افراد کو کسی حکم کے ساتھ خاص کر لیتے، اور دوسروں کو اس حکم سے منع فرمادیتے، خواہ عذر نہ ہو۔

علامہ وشتانی: ابن خلفہ ابی مالکی (م ۸۲۷ھ) فرماتے ہیں: **{للشارع عليه السلام ان يخص من العموم ما شاء}**

(اکمال اکمال المعلم: جلد۳ ص ۷۵)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے جائز ہے کہ عمومی احکام سے جس کو چاہیں، خاص فرمالیں۔

حضرت ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں: **{عد ائمتنا من خصائصه عليه السلام انه يخص من شاء بما شاء}**

(مرقات جلد۲ ص ۳۲۳)

ترجمہ: ہمارے ائمہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے اس چیز کو شمار کیا ہے کہ آپ جس شخص کو چاہیں، جس حکم کے ساتھ چاہیں، خاص فرمادیں۔

قاضی شوکانی نے لکھا: **{ان النبى صلى الله عليه وسلم مفوض فى شرع الاحكام}** (نیل الاوطار: جلد۶ ص ۴)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو احکام کی مشروعیت سپرد کردی گئی۔

وہابیوں کے امام نواب صدیق حسن خاں بھوپال نے لکھا: ''ومذہب بعض آنست کہ احکام مفوض بود بوے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہر چہ خواہد و بر ہر کہ خواہد، حلال وحرام گرداند وبعضے گویند باجتہاد گفت واول اصح واظہر است''۔ (مسک الختام: ص ۵۱۳)

ترجمہ: بعض کا مذہب یہ ہے کہ احکام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد ہیں۔ جو چاہیں اور جس پر چاہیں، حلال اور حرام فرمادیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ اجتہاد سے کہتے تھے، اور پہلا مذہب زیادہ صحیح اور زیادہ ظاہر ہے۔ ☆☆☆☆☆

واقعۂ معراج: شبہات و دفع شبہات

از: مولانا حسان المصطفیٰ قادری امجدی: جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی)

معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واقعہ انتہائی حیرت انگیز معجزات میں سے ہے۔ قرآن حکیم اور کتب احادیث میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر موجود ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے اسے بیان فرمایا۔ مفسرین عظام نے اس کی تفصیلات لکھیں۔ علمائے معتمدین اور محققین نے اسے حق اور صحیح تسلیم کیا ہے۔

یہ ایک ایسا انوکھا اور تعجب خیز واقعہ ہے، جس سے انسانی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ اس ترقی یافتہ دور کا انسان آج بھی حیران وششدر ہے کہ چشم زدن میں ایک انسان کیسے مکہ معظّمہ سے مسجد اقصیٰ اور وہاں سے آسمانوں کی سرحدوں کو عبور کرتا ہوا، سدرۃ المنتہیٰ سے آگے لامکاں تک پرواز کر گیا؟ جس نے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت بھی فرمائی، فرشتوں کو شرف زیارت بخشا اور جنت وجہنم کی سیر بھی کی، عرش وکرسی کو ملاحظہ فرمایا، اللہ رب العزت کا دیدار کیا اور راز و نیاز کی باتیں بھی ہوئیں۔ ان تمام حیرت انگیز واقعات کے بعد آپ کی واپسی ہوئی تو ابھی تک زنجیر حرکت میں ہے، بستر گرم ہے، وضو کا پانی بہہ رہا ہے۔

اس دور عروج وارتقا میں جب کہ انسان آسمانوں پر کمندیں ڈالنے لگا ہے۔ مریخ تک رسائی ہوگئی ہے۔ چاند پر کھیتی کی صورتیں نکالی جارہی ہیں، تاہم کچھ عقل وخرد سے عاری لوگ اس سائنسی دور میں بھی معجزۂ معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا ان کی تفصیلات وجزئیات کا انکار کرتے ہیں اور طرح طرح کے بے جا اور لغو اعتراض کیا کرتے ہیں، حالانکہ واقعہ معراج کی تفصیلات، بے شمار کتب حدیث وسیرا ورتفاسیر میں موجود ہے۔ اگر ایسے لوگ عصبیت کی عینک اتار کر ان کا تفصیلی اور دقت نظری سے مطالعہ کرتے، تو ہرگز ایسے باطل اوہام میں مبتلا نہ ہوتے۔ آیئے ہم یہاں پر اختصار کے ساتھ چند شبہات اور بظاہر متضاد روایات کا جائزہ لیتے ہیں، اور مستند ومعتمد کتابوں کے حوالے سے ان کا حل پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاریخ

معراج کا واقعہ کب، کس سن اور کس تاریخ کو پیش آیا؟ اس سلسلے میں علمائے کرام کے اقوال مختلف ہیں۔ کسی نے نبوت کے دسویں سال اور کسی نے نبوت کے بارہویں سال لکھا۔ مہینے میں بھی اختلاف ہے۔ کسی نے رمضان کا قول کیا۔ کسی نے ربیع الآخر کہا۔ ایک قول ہے کہ یہ واقعہ شوال میں ہوا، لیکن علمائے اسلام کے نزدیک زیادہ مشہور اور قابل قبول ماہ رجب ہے۔

تاریخ پر بھی اتفاق نہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں واقعہ معراج کی تاریخ کے حوالے سے دس اقوال پیش کیے ہیں۔ اہل سیر اور مؤرخین کا رجحان ہے کہ ہجرت سے ایک سال یا ڈیڑھ سال قبل، ماہ رجب کی ستائیسویں تاریخ، بروز پیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا شرف وفضل حاصل ہوا۔ امام نووی، علامہ عبدالغنی نابلسی، علامہ زرقانی، امام رافعی اور دیگر علما و محققین نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ تفسیر خزائن العرفان میں ہے: ''نبوت کے بارہویں سال سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے نوازے گئے۔ مہینہ میں اختلاف ہے، مگر اشہر یہ ہے کہ ستائیسویں رجب کو معراج ہوئی''۔ (تفسیر خزائن العرفان: سورۂ بنی اسرائیل)

معراج کی ابتدا

معراج کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟ اس بارے میں بھی مختلف روایات آئی ہیں۔ قرآن شریف میں مطلقاً مسجد حرام کا ذکر ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ام ہانی کے گھر میں محواستراحت تھے،اور وہیں سے معراج کے لیےتشریف لے گئے۔حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت میں ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں تھے۔کسی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجراسود کے پاس سوئے ہوئے تھے۔کسی روایت میں ذکر ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے گھر پرتشریف فرما تھے۔کہیں یہ ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعب ابوطالب سےمعراج کوتشریف لے گئے۔(کتب حدیث)

علامہ ابن حجرعسقلانی نے ان روایات کے درمیان نہایت عمدہ تطبیق فرمائی ہے۔لکھتے ہیں:{**انہ بات فی بیت ام ھانی، وبیتھاعند شعب ابی طالب،ففرج سقف بیتہ و اضاف البیت الیہ لکونہ کان یسکنہ فنزل منہ الملک فاخرجہ من البیت الی المسجد فکان بہ مضطجعا وبہ اثر النعاس ثم اخذہ الملک فاخرجہ من المسجد فارکبہ البراق**}(فتح الباری ۷/۲۰۴)یعنی حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر میں سوئے ہوئے تھےاورام ہانی کا گھر شعب ابوطالب میں تھا،پھراس گھر کی چھت کوشق کیا گیا۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس گھر میں رہنے کی وجہ سے گھر کی اضافت اپنی طرف کی،پھر چھت سے حضرت جبریل علیہ السلام اترے اورآپ کوام ہانی کے گھر سے مسجد حرام کی طرف لے گئے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد حرام شریف میں لیٹ گئے اورآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کواونگھ آ گئی۔یہاں سے حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو لے کر باہرتشریف لائے اور براق پرسوار کیا۔(وکذا فی المواہب اللدنیہ للامام قسطلانی:ج۳ص۱۵)

معراج جسمانی یاروحانی

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج،معراج جسمانی نہ تھی،بلکہ حالت خواب میں روحانی معراج ہوئی تھی،حالانکہ ان کی یہ بات سراسرغلط ہے۔سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت ہی اہل سنت وجماعت کے موقف کی تائید کرتی ہے۔اللہ رب العزت کا فرمان ہے:{**سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا**}(پ۱۵،سورۃ الاسراء)پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کورات کے ایک حصے میں لے گئی۔مذکورہ آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ''عبد''کا ذکرفرمایا ہے،اور عبد کا اطلاق جسم اورروح دونوں پرہوتا ہے۔مفسرین فرماتے ہیں:کہ عبد،جسم اورروح دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔

تفسیرخازن میں ہے:{**ولفظ العبد عبارۃ عن مجموع الروح والجسد**}(ج۲ص۱۱۴)اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج،صرف معراج روحانی نہ تھی،بلکہ آپ روح اورجسم کےساتھ معراج کے لیے گئے تھے۔

معراج جسمانی پرسب سے بڑی دلیل تو یہی ہے کہ اگر یہ واقعہ عالم خواب کا ہوتا تو کفارومشرکین اس کا انکار ہی نہ کرتے۔کفار کے انکار کی وجہ ہی یہ تھی کہ حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنے جسم اقدس کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اورسدرۃ المنتہی سے ہوتے ہوئے لامکاں تک جانا،ان کی عقل وفہم سے بالاتر تھا۔اگر کوئی شخص خواب میں زمین وآسمان یا آفتاب وماہتاب کی سیر کا دعویٰ کرےتو انسانی عقل اسے بے چوں وچراتسلیم کرلے گی،کیوں کہ خواب میں یہ ممکن ہے۔اگرحضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی یہ دعویٰ،خواب کےحوالے سے کرتے تو کفارمکہ اورابوجہل وابولہب کا ردعمل سخت نہ ہوتا۔کفارومشرکین کا ردعمل ہی ظاہر کرتا ہے کہ واقعہ معراج کوئی معمولی یاخواب کاواقعہ نہ تھا۔

ہر چیز کوعقل کی ترازوپرتولنے والے یہ بھول گئے کہ واقعہ معراج حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کامعجزہ ہےاورمعجزہ اسی چیزکوکہا جاتا ہے جوعقل وشعور کوحیرت میں ڈال دے،اورعام انسان اس کے کرنے پر قادر نہ ہوسکے۔معجزہ کی تعریف کرتے ہوئے علما فرماتے ہیں:کہ وہ خارق عادت چیزجس کی مثل لانے سے انسان عاجز ہو۔المنجد میں ہے:{**امر خارق العادۃ یعجز البشر عن ان یاتوا بمثلہ**}(ص۴۸۸)شفاشریف میں ہے:{**ما جائت**

بـہ الانبیـاء مـعـجـزۃ–ھو ان الخلق عجزوا عن الاتیان بمثلھا}(جلداول،ص۳۴۹)

اگر یوں ہی ہر مسئلہ میں عقل کے گھوڑے دوڑائے جائیں اور دنیاوی اصول پر پرکھا جائے، تو لوگ بن ماں باپ کے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور بے باپ کے حضرت عیسیٰ کی ولادت جیسی اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا انکار کر بیٹھیں گے۔

اس سلسلے میں مخالفین وہ روایت پیش کرتے ہیں، جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے ۔فرماتی ہیں: ''جس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا''۔اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔الفاظ یہ ہیں:{**قـالـت:من زعم ان محمدًا رای ربـہ،فـقـد اعـظـم الکذب علی اللّٰہ**}(بخاری شریف، کتاب بدء الخلق، رقم ۳۰۶۲)

علمائے محققین نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس قول کے متعدد جواب دیے ہیں ۔بعض نے فرمایا کہ جس وقت معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واقعہ پیش آیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت صغیر السن تھیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح میں نہ تھیں، اس لیے انہوں نے عدم علم کے سبب یہ بات کہہ دی۔بعض نے کہا کہ واقعۂ معراج کی تاریخ کے اختلاف کی صورت میں ابھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت بھی نہ ہوئی تھی (اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو کہا، وہ لاعلمی میں کہا)(**المواہب اللدنیہ**،۸۱/۳)

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بات اپنی طرف سے کہی ہے، انہوں نے رویت کی نفی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے نہیں کی، بلکہ قرآن کی اس آیت ''لاتدرکہ الابصار'' کے ذریعہ استدلال کرتے ہوئے ایسا فرمایا، حالاں کہ قرآن کی اس آیت میں ادراک بالاحاطہ کی نفی ہے، اور رویت بالاحاطہ کی نفی سے رویت بغیر الاحاطہ کی نفی لازم نہیں آتی، اور دیگر صحابہ نے جو رویت باری بالعین ثابت کیا ہے تو یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ دی، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر کہا ہے۔احادیث کریمہ اس پر شاہد و گواہ ہیں۔

تفسیر خازن میں ہے:{**قـال الشیـخ مـحـی الـدیـن: فـالـحـاصل ان الراجح عند اکثر العلماء ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رای ربہ عزوجل بعینی راسہ لیلۃ الاسـراء لـحـدیـث ابن عباس وغیرہ مما تقدم واثبات ھـذا لایـاخـذونہ الا بالسماع من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عـلـیـہ وسـلـم ھـذا مما لاینبغی ان یتشکک فیہ،ثم ان عائشۃ لم تنف الرویۃ بحدیث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عـلـیــہ وسـلـم ولـوکـان مـعـھـا حـدیث لذکرتـہ وانما اعتمدت علی الاستنباط من الآیات**}(ج۳ص۲۰۷)

حاصل کلام یہ ہے کہ اکثر علما کے نزدیک راجح یہ ہے کہ شب معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے رب کا دیدار کیا اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما و دیگر صحابہ کرام کی ان حدیثوں سے ثابت ہے، جو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سماعت کی ہے، لہٰذا اب اس میں تردد کی گنجائش نہیں۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی حدیث کی وجہ سے رویت کا انکار نہیں کیا۔اگر ان کے پاس کوئی حدیث ہوتی تو ضرور اس کا ذکر کرتیں، انھوں نے ارشاد الٰہی ''لاتدرکہ الابصار'' سے استنباط کرتے ہوئے رویت کی نفی کی ہے۔یہ ان کا اجتہاد ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت نہیں ہے۔

علمائے کرام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس قول کے جواب میں ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت پیش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ صحابی کوئی بات کہیں اور دوسرے صحابی اس کا رد کریں، تو ان کا قول حجت نہیں، جب کہ حضرت ابن عباس کی صحیح روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو ان روایتوں کو قبول

کرنا واجب ہے، کیونکہ یہ ان مسائل میں سے نہیں جن کا ادراک عقل سے کیا جائے، یا ظن واجتہاد سے استدلال کیا جائے۔ یہ صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر ہی کہا جا سکتا ہے اور کسی شخص کے لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات ظن واجتہاد سے کہہ دی ہے۔

تفسیر خازن میں ہے:{والاصل فی المسئلة حدیث ابن عباس حبر هذه الامة وعالمها والمرجوع الیه فی المعضلات وقد راجعه ابن عمر فی هذه المسئلة وسأله هل رای محمدصلی اللّٰه علیه وسلم ربه عزوجل؟فاخبره انه رآه ولایقدح فی هذا حدیث عائشة لان عائشة لم تخبر انها سمعت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقول:لم ار ربی الخ-والصحابی اذا قال قولا وخالفه غیره منهم ،لم یکن قوله حجة واذا قد صحت الروایات عن ابن عباس انه تکلم فی هذه المسئلة باثبات الرویة وجب المصیر الٰی اثباتها لانها لیست مما یدرک بالعقل ویوخذ بالظن وانما یلتقی بالسمع ولا یستجیز احد ان یظن بابن عباس انه تکلم فی هذه المسئلة بالظن والاجتهاد}(ج۳ص۲۰۷)

مذکورہ عبارات وتصریحات سے واضح ہوگیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول علما وفقہا کے نزدیک حجت اور قابل قبول نہیں، بلکہ بعض علما نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کو مرجوح قرار دیا ہے اور ابن عباس کی روایت کو راجح ٹھہرایا۔ چوں کہ حضرت ابن عباس،ام المؤمنین سے بڑے عالم اور محدث ہیں، یوں ہی آپ کی روایت میں دیدار الٰہی کا اثبات ہے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کے قول میں دیدار کی نفی ہے اور اثبات والی روایت کو نفی والی روایت پر ترجیح دی جاتی ہے۔

محدث معمر بن راشد فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ اور ابن عباس کی روایتوں کے درمیان تعارض ہے،اور حضرت ابن عباس حضرت عائشہ سے بڑے عالم اور محدث و فقیہ ہیں۔ یوں ہی حضرت ابن عباس کی روایت اثبات پر دلالت کرتی ہے اور ام المؤمنین کی روایت سے رویت کی نفی ہوتی ہے اور جب اثبات ونفی میں تعارض ہوجائے تو اثبات والی روایت کو نفی والی روایت پر ترجیح دی جائے گی۔عبارت یہ ہے:{وقد قال معمر بن راشد حین ذکر اختلاف عائشه وابن عباس :ما عائشة عندنا باعلم من ابن عباس ثم ان ابن عباس اثبت ما نفاه غیره والمثبت مقدم علی النافی}(تفسیر خازن ،ایضا) ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار فرمایا ہے،اور اہل سنت وجماعت کا موقف بھی یہی ہے۔

صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت معراج جسمانی کی قائل ہے۔چناں چہ قاضی عیاض مالکی ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ'' میں تحریر فرماتے ہیں:{وذهب معظم السلف والمسلمین الٰی انه اسراء بالجسد وفی الیقظة وهٰذا هوالحق وهوقول ابن عباس وجابر وانس وحذیفة وعمر وابی هریرةومالک بن صعصعة وابی حبة البدری وابن مسعود والضحاک وسعید بن جبیروقتادة وابن المسیب وابن شهاب وابن زید والحسن وابراهیم ومسروق ومجاهد وعکرمة وابن جریج وهو قول دلیل عائشة وهو قول الطبری وابن حنبل وجماعة عظیمة من المسلمین وهو قول اکثر المتاخرین من الفقهاء والمحدثین والمتکلمین والمفسرین}(کتاب الشفاء:ج۱ص۱۸۸)

اسلاف کرام اور مسلمانوں کی اکثریت اس بات کی طرف گئی ہے کہ واقعہ معراج جسم کے ساتھ، بیداری کے عالم میں ہوا،اور یہی حق ہے،اور یہی قول حضرت ابن عباس،حضرت جابر،حضرت انس،حضرت حذیفہ،حضرت عمر،حضرت ابوہریرہ،حضرت مالک بن صعصعہ،حضرت ابوحبہ بدری،حضرت عبداللہ بن مسعود،حضرت ضحاک،حضرت سعید ابن جبیر،حضرت قتادہ ابن المسیب،حضرت

ابن شہاب، حضرت ابن زید، حضرت حسن، حضرت ابراہیم، حضرت مسروق، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہے۔ اور یہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے قول پر دلیل ہے، اور یہی قول امام طبری، امام احمد بن حنبل اور مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت، اور فقہائے متاخرین ومحدثین، متکلمین اور مفسرین کا ہے: (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

اعلیٰ حضرت کا موقف

اعلی حضرت مجدد اسلام علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: ''ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا شب معراج تک خدمت اقدس میں حاضر بھی نہ ہوئی تھیں، بہت صغیر السن بچہ تھیں۔ وہ جو فرماتی ہیں، حق فرماتی ہیں۔ ان روحانی معراجوں کی نسبت فرماتی ہیں جو ان کے زمانے میں ہوئیں۔ معراج جسمانی ان کی حاضری سے کئی سال پیشتر ہو چکا تھا''۔ (فتاویٰ رضویہ: ج ۱۱ص ۲۰۴)

اعلیٰ حضرت نے کثیر احادیث کریمہ، آثار صحابہ وتابعین، اقوال علما وائمہ دین کی روشنی میں اس موقف کو ثابت کیا ہے، اور اس سلسلے میں ایک رسالہ بنام {منبہ المنیہ بوصول الحبیب الی العرش والرویۃ} رقم فرمایا ہے۔ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ، جلد تیس میں ہے۔

منتہائے سفر

منتہائے سفر کے بارے میں بھی لوگ وہم وتردد میں مبتلا ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ کو قرآن وحدیث میں کہیں ایجاز واطناب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، کہیں اجمال وتفصیل کے ساتھ اور کہیں کنایات واشارات میں بیان کیا گیا اور کتنے ہی ایسے اسرار ورموز اور راز ونیاز کی باتیں ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں، لہٰذا کسی نے قرآن کی عبارۃ النص سے یہ گمان کیا کہ حضور کا سفر مسجد حرام سے مسجد اقصی تک ہوا۔ کسی نے کہا کہ آپ آسمان سے واپس آ گئے۔ بعض نے کہا کہ سدرۃ المنتہی تک گئے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے عرش اعظم اور لامکاں تک گئے، جہاں قرب خداوندی سے مشرف ہوئے اور بے حجابانہ سر کی آنکھوں کے ذریعہ دیدار الٰہی سے سرفراز کیے گئے۔

تفسیر خزائن العرفان میں ہے: ''مکہ مکرمہ سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت المقدس تک شب کے چھوٹے حصہ میں تشریف لے جانا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہے اور آسمانوں کی سیر اور منازل قرب میں پہنچنا احادیث صحیحہ، معتمدہ، مشہورہ سے ثابت ہے، جو حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔ اس کا منکر گمراہ ہے۔ معراج شریف بحالت بیداری جسم وروح دونوں کے ساتھ واقع ہوئی، یہی جمہور اہل اسلام کا عقیدہ ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کثیر جماعتیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجلہ اصحاب اس کے معتقد ہیں''۔ (تفسیر خزائن العرفان: سورۂ بنی اسرائیل)

یہ چند شبہات تھے، جنہیں دور کر کے ہم نے اہل سنت وجماعت کے موقف کو دلائل وبراہین کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم اہل سنت وجماعت کو ایسے باطل وفاسد شبہات واوہام سے دور رکھے اور معمولات اہل سنت وجماعت اور مسلک اعلیٰ حضرت پر ثبات قدمی عطا فرمائے: آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین ☆☆☆☆

سوشل میڈیا: فوائد ونقصانات

مولانا سید شہباز اصدق چشتی (سہسرام)

ذرائع ابلاغ کو انگریزی میں'' میڈیا'' کہا جاتا ہے۔ عہد حاضر میں میڈیا کی مندرجہ ذیل تین شکلیں بہت مشہور ومتعارف ہیں۔

(۱) پرنٹ میڈیا (۲) الیکٹرانک میڈیا (۳) سوشل میڈیا۔

پرنٹ میڈیا: پرنٹ میڈیا میں وہ تمام ذرائع ابلاغ شامل ہیں، جن کی مدد سے ہم لکھ کر اپنی بات دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ اس میں کتابیں، اخبارات و رسائل، ماہنامے، روزنامے، ہفتہ واری یا پندرہ روزہ اخبارات ورسائل ودیگر مطبوعات شامل ہیں۔

الیکٹرانک میڈیا: الیکٹرانک میڈیا میں وہ تمام ذرائع شامل ہیں جن میں اپنی بات کو پہچانے کے لیے برقی توانائی کی ضرورت ہو۔اس میں ٹیلیفون، ریڈیو، ٹیلیویزن، انٹرنیٹ وغیرہ شامل ہیں۔

سوشل میڈیا : سوشل میڈیا سے مراد انٹرنیٹ، موبائل ایس ایم ایس، سماجی روابط کی ویب سائٹس، فیس بک، ٹیوٹر، واٹس اپ، یوٹیوب، انسٹا گرام، سنیپ چیٹ، ٹیلی گرام، گوگل پلس، وائبر، آئی ایم او، بلاگس، لنک ڈان وغیرہ شامل ہیں۔

سوشل میڈیا ذرائع ابلاغ کی جدید اور مقبول ترین شکل ہے، جس نے بہت مختصر سی مدت میں آسمان ساعروج پالیا ہے۔ سوشل میڈیا، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا سے بھی زیادہ تیزی سے مقبول ہورہا ہے۔ سوشل میڈیا کی غیر معمولی مقبولیت کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے برخلاف اس میں عوام کو اپنی بات رکھنے کا پورا حق اور گنجائش ملتی ہے، جبکہ الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا میں یک طرفہ طور پر کسی بھی بات کو نشر کیا جاتا ہے۔ سامع اور قاری کی حیثیت صرف سننے اور پڑھنے تک ہی محدود رہتی ہے۔ چاہے بات اس کی مرضی اور مزاج اور نظریات کے خلاف ہی کیوں نہ ہورہی ہو، جبکہ سوشل میڈیا پر اپنا نظریہ اور اپنی بات رکھنے کا پورا اختیار ہوتا ہے۔

سوشل میڈیا کسی بھی خبر کو دوسروں تک پہنچانے کا تیز ترین ذریعہ بن کر سامنے آیا ہے۔ سوشل میڈیا کی وجہ سے چھوٹی سی خبر محض پلک جھپکتے ہی کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ سوشل میڈیا کی وجہ سے لوگوں کو زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق بہت زیادہ معلومات حاصل ہو رہی ہیں۔ دنیا کے کسی علاقے میں کچھ بھی ہورہا ہو، پلک جھپکنے کی دیر ہے۔ دنیا کا ہر شخص اس سے آگاہ ہوجاتا ہے، جبکہ ماضی میں اس کے لیے بہت زیادہ وقت درکار ہوتا تھا۔ سوشل میڈیا کی وجہ سے لوگوں کو تعلیم، صحت، سیاست، مذہب، کھیل، سماجی امور وغیرہ ہر شعبہ کے بارے میں نت نئی معلومات آسانی کے ساتھ فراہم ہوجاتی ہیں۔ آج کے دور میں کوئی بھی شخص سوشل میڈیا سے لاتعلق نہیں، بلکہ بیداری سے نیند تک انسان اس سے مسلسل مربوط ومتعلق ہے۔

سوشل میڈیا نیٹ ورکنگ کے حوالے سے فیس بک، ٹیوٹر، واٹس ایپ، یوٹیوب کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔ یہ تقریبا ناممکن ہے کہ انٹرنیٹ استعمال کرنے والے لوگ ان سے واقف نہ ہوں۔ صرف فیس بک یوزر کی بات کریں تو ماہرین کا ماننا ہے کہ فیس بک پر موجود لوگوں کو اگر ایک ملک کی آبادی کے مطابق جانچا جائے تو یہ دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے، اور سوشل میڈیا ویب سائٹس پر حاوی ہے۔

اب رہی بات اس کے استعمال سے متعلق فوائد ونقصانات کی تو میرا ماننا یہ ہے کہ ایسی چیزیں اپنے وجود کے اعتبار سے اچھی یا بری نہیں ہوتیں، بلکہ اس کی اچھائی یا برائی اس کے اچھے یا برے استعمال پر موقوف ہوتی ہے۔ یہ ضابطہ جہاں دنیا کی بہت سی چیزوں میں جاری اور عملاً نافذ ہے، وہیں فیس بک، واٹس ایپ اور سوشل میڈیا کی دیگر صورتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ اگر ان کا صحیح استعمال

ہوتو سوشل میڈیا تبلیغ دین، اصلاح معاشرہ، مشاورت، مراسلت وغیرہ کا بہترین ذریعہ ہے، جس سے پوری دنیا جڑی ہوئی ہے۔اس کے برخلاف اگر ان ذرائع کو غلط رخ پر ڈال دیا جائے تو شرو فساد، عریانیت وفحاشی، بدکاری وبے حیائی ودیگر مفاسد کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ جاری ہوسکتا ہے۔

سوشل میڈیا کے نقصانات

ارباب علم ودانش پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ نفع خلائق اور اصلاح معاشرہ کے حوالے سے سوشل میڈیا کا مثبت استعمال اہم رول ادا کر سکتا ہے۔ان میں سے چند امور کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) بچوں، جوانوں، عورتوں، بوڑھوں اور عام مسلمانوں میں ان کی ضرورت کے لحاظ سے دین کی تعلیم واشاعت اور اخلاقی تربیت کے لیے سوشل میڈیا کو آسانی کے ساتھ بہت مؤثر طریقہ پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(۲) اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں اور زیادہ تر اسی راستے سے کی جاتی ہیں، اس لیے سوشل میڈیا کے ذریعہ ان غلط فہمیوں کا مؤثر طور پر ردوطرد اور اسلامی احکام وقوانین کی صحیح تفصیل سے اہل دنیا کو مطلع کیا جاسکتا ہے۔

(۳) تعلیم کے لیے اب یہ ایک مؤثر ذریعہ بن چکا ہے اور جیسے ایک طالب علم کلاس روم میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتا ہے، یا اپنے ٹیوٹر کے سامنے بیٹھ کر کلاس روم کی کمی پورا کرتا ہے۔اسی طرح وہ اس ذریعہ ابلاغ سے بھی علم حاصل کرسکتا ہے، اور اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھا سکتا ہے۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ کسی دیہات میں بیٹھے ہوئے طالب علم کے لیے بھی اس کے ذریعے مشرق ومغرب کے ماہرترین اساتذہ سے کسب فیض کرنا ممکن ہے۔ایسے تعلیمی فوائد کی حصولیابی کے لیے سوشل میڈیا سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

(۴) صحت وعلاج کے شعبہ میں بھی اس سے مدد لی جاسکتی ہے، بلکہ لی جارہی ہے۔اس کے ذریعہ ماہرترین معالجین سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ ہندوستان میں ایک ڈاکٹر آپریشن کرتے ہوئے امریکہ کے کسی ڈاکٹر کے مشورہ سے مستفید ہوسکتا ہے۔

(۵) موجودہ دور میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پر حکومت وقت کی اجارہ داری ہے۔جھوٹی خبریں پھیلانے اور بنانے نیز سچی خبروں کو دبانے اور چھپانے میں یہ دونوں نمایاں کردار ادا کررہے ہیں۔ایسے سنگین حالات میں سوشل میڈیا کے ذریعہ سچائی کو پیش کرنے اور جھوٹ کی قلعی کھولنے اور حقیقی حالات سے باخبر کرنے کی اہم خدمات انجام دی جاسکتی ہیں۔چنانچہ ماضی قریب میں روہنگیا، کشمیر اور حالیہ دنوں میں ملک شام کے سلسلے میں سوشل میڈیا کی حقیقت بیانی نے ظالموں کی دروغ گوئیوں کو شرمندہ اور رسوا کیا ہے۔

(۶) اسی طرح وہ باطل خیالات وتصورات جن کو ملک و معاشرہ میں پھیلا کر شر پسند عناصر عدم رواداری کا ماحول بناتے ہیں، ان کا تعاقب ودفاع بھی سوشل میڈیا کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے

(۷) اس کے علاوہ قرآن واحادیث اور احکام ومسائل کی تبلیغ وترسیل بھی اس پلیٹ فارم سے موثر طور پر انجام دی جاسکتی ہے۔

سوشل میڈیا کے نقصانات

مذکورہ بالا فائدوں کے علاوہ بھی بے شمار فوائد ہیں کہ جن کے لیے سوشل میڈیا کا استعمال وقت کی ایک اہم ضرورت کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ہاں، اس مقام پر اس بات کا اعتراف بھی ناگزیر ہے کہ سوشل میڈیا کے جہاں بے شمار فوائد ہیں، وہیں اس کے نقصانات کی فہرست بھی کافی لمبی ہے۔

(۱) سوشل میڈیا کے نقصانات میں سرفہرست تضیع اوقات ہے۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آپ کام کرنے کے لیے موبائیل یا کمپیوٹر آن کرتے ہیں لیکن فیس بک یا ٹیوٹر یا کسی دوسری سوشل میڈیا کی سائٹ پر اتنے مصروف ہوجاتے ہیں کہ وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوتا اور وہ کام وہیں کا وہیں دھرا رہ جاتا ہے جس کے لیے آپ نے کمپیوٹر آن کیا تھا۔

(۲) سوشل میڈیا کا ایک منفی پہلو یہ بھی ہے کہ یہ جھوٹی اخبار وافکار کی تبلیغ وترسیل کا ایک بڑا انیٹ ورک بن گیا ہے۔اکثر بہت سی باتیں بغیر کسی تحقیق کے اس میں ڈال دی جاتی ہیں اور پھر شیئر کرنے والے بھی خوب! کہ بغیر کسی تصدیق کے اس کو شیئر کرنے میں لگ جاتے ہیں، جس کی وجہ سے ایک من گڑھت اور بے بنیاد بات

سکنڈوں میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔مثلاً

(الف)اگر آپ کوفلاں نمبر سے کال آئے تو ریسیو نہ کریں ،کیونکہ ریسیو کرنے کی صورت میں ایک دھماکہ ہوگا اور آپ کا موبائل پھٹ جائے گا۔

(ب)اگر آپ کوفلاں نمبر سے میسیج آئے تو جواب نہ دیں، کیونکہ جواب دینے کی صورت میں آپ کے موبائیل کا سارا ڈیٹا چوری ہوجائے گا۔

(ج)آج رات بارہ بجے موبائل فون بند کردیں، کیونکہ خلا سے بہت خطرناک قسم کی تابکاری اور دوسری لہریں زمین پر آرہی ہیں جوموبائیل فون کے ذریعہ انسان کونقصان پہنچائیں گی۔

(د)یہ پوسٹ اپنے دوستوں کوشیئر کریں،نہیں تو آپ کو گناہ ملے گا۔یاجب یہ پوسٹ آپ شیئر کریں گےتو شیطان آپ کو روکے گا،مگر آپ کوروکنا نہیں ہے۔

یہ اوراس طرح کی بہت سی جھوٹی خبریں آئے دن سوشل میڈیا پررن کرتے ہوئے باصرہ نواز ہوتی ہیں۔

حدتو یہ ہے کہ بہت سی جھوٹی اورمن گڑھت باتیں بھی لوگ بطورحدیث بلاروک ٹوک شیئر کرتے ہیں۔

(۳)عام جھوٹی خبروں کے علاوہ یہ لوگوں کی غیبت کرنے ،ان کی کوتاہیوں کوطشت ازبام کرنے، یہاں تک کہ لوگوں پر بہتان تراشی اورتہمت اندازی کرنے،فریق مخالف کودھمکی دینے کے لیے بھی وسیلہ بن گیا ہے۔

(۴)سوشل میڈیا کے سبب سماج اور خاندان کے درمیان رابطہ وتعلق بھی متأثر ہے۔لوگ ایک محفل میں ہوتے ہوئے بھی اپنے اپنے موبائل میں مصروف{Busy}دیکھے جاتے ہیں،جس کا براہ راست اثر باہمی تعلقات پر پڑتا ہے۔

(۵)سوشل میڈیا کا ایک عظیم نقصان یہ ہے کہ ان ذرائع کے استعمال کے وقت آدمی یہ بالکل بھول جاتا ہے کہ اس کی کہی ہوئی بات کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟اس کے استعمال کے وقت اکثر ہماری زبان انتہائی خراب ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ گالی گلوج سے آگے بڑھتے ہوئے بات دشمنی تک آجاتی ہے۔بحث و مباحثہ کے دوران گھٹیااورمخرب اخلاق ردعمل اورمغلظات کے وافر استعمال کے مناظر بھی بکثرت دیکھے جاتے ہیں۔

(۶)سوشل میڈیا کے ذریعہ الحادوبے دینی کا فروغ ہورہا ہے،خصوصاً وہابی اہل حدیث اورقادیانی وغیرہ اپنے باطل مذہب کا پرچارو پرسار کرنے کے لیے اسلامی لبادہ اوڑھ کرسوشل میڈیا پرکافی سرگرم ہیں اورضلالت وگمرہی عام کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

(۷)ایک بڑ انقصان یہ بھی ہے کہ فرقہ پرست عناصراسلام اورمسلمانوں کے خلاف ان ذرائع کا استعمال خوب جم کرکررہے ہیں اورمذہب کے نام منافرت کا بازارگرم کرنے میں مصروف ہیں۔اس میڈیا کا استعمال دہشت گردی اورتشدد کے لیے بھی ہورہا ہے۔

غرض کہ سوشل میڈیا دودھاری تلوار کی مانند ہے۔اس کا استعمال احتیاط سے کرنا ہی دانش مندی ہے۔اگر ہم نے سوشل میڈیا کے منفی اورنقصان دہ پہلو سے خودکودوررکھ کراس کا استعمال کیا تو ہم مذہب و مسلک ،تعلیم وتعلم ،صحت ومعیشت ،اور اصلاح معاشرہ وغیرہ ہرشعبہ حیات میں عظیم اورنمایا کام انجام دے سکیں گے ،اور اگر ہم نے احتیاط سے استعمال نہ کیا اور اس کے منفی استعمال سے خودکو نہ روکا تو اس کی تباہ کاریاں ہمیں قعر مذلت میں دھکیل دیں گی۔اخیرمیں کولمبیا یونیورسٹی کے نامور پروفیسراورامریکہ کے 20:انتہائی بااثر جنوب ایشیائی شخصیتوں میں سے ایک شخصیت پروفیسر سری سری نواسن کا یہ مشورہ سوشل میڈیا استعمال کرنے والوں کے لیے حاضر ہے۔

’’حقیقی زندگی میں ہم جس چیزکوعقل سلیم سے تعبیر کرتے ہیں،فیس بک اورٹویٹر پربھی وہی چیزعقل سلیم ہوتی ہے،اس لیے فیس بک یاٹویٹر پرضرورت سے زیادہ چیزیں شائع نہ کریں،اوراس کےاستعمال میں اپنا سارا وقت نہ لگائیں‘‘۔

☆☆☆☆☆

تحریک بام سیف: اغراض ومقاصد

مولانا دلشاد امجدی: متعلم جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی)

آزادی انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ ہر شخص خود مختار ہونا چاہتا ہے۔ غلامی کسے پسند ہے؟ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے کہا۔

غلامی کیا ہے ذوق حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا
بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دینا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا

آزادی ہر ایک کا بنیادی حق ہے۔ اس کے ساتھ رواداری اور مساوات بھی انسانی اقدار میں شامل ہیں۔ قانون فطرت بھی یہی ہے کہ ہر انسان برابر ہے، کسی کو کسی پر اہمیت نہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے جن خاص بندوں کو فضیلت عطا فرمائی۔ دینا کے سماجی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رنگ، نسل اور قومی امتیاز کی بنیاد پر ہر دور میں ذات پات اور اونچ نیچ کا فرق سماج نے کیا ہے۔ اس سلسلے میں مذہب اسلام دنیا کے لیے عظیم انقلابی پیغام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام نے واضح کر دیا کہ ہر انسان بحیثیت انسان برابر ہے، جس کے بعد سے ہی دنیا بھر میں رنگ ونسل اور قومی تفرقہ کو دور کرنے کی آوازیں مسلسل اٹھتی رہیں۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ اسی کے پس منظر میں ایسی بے شمار اقوام کو سر اٹھا کر جینے کا ہنر آ گیا، جو جو خاندانی نظام کے سبب مقہور ومظلوم تھیں، رنگ ونسل کے نام پر ظلم وبربریت کا شکار تھیں۔

گرچہ ہندوستان ایک بڑی جمہوریت ہے، لیکن یہاں عہد قدیم سے ہی ذات پات کا نظام چلا آ رہا ہے۔ اونچے طبقہ کے لوگ نچلے طبقے کو اپنے برابر بٹھانا بھی پسند نہیں کرتے، خواہ مذہبی امور ہوں یا سماجی معاملات ہوں- عام خیال تھا کہ دلت اور پچھڑا طبقہ جسے قدیم سنسکرت میں شودر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کبھی بھی سماج کے اعلیٰ طقبہ برہمن یا چھتری کے مساوی نہیں ہوسکتا۔ ایک زمانے سے دلتوں کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، رہنا سہنا سب برا سمجھا جاتا تھا۔ دلتوں کو بات بات پر زدوکوب کرنا، ان کے گلے میں مٹکی باندھنا کہ وہ زمین پر تھوک بھی نہ سکیں، ہاتھ میں جھاڑو دینا کہ جہاں چلیں، اسے صاف کریں۔ یہ وہ بری رسمیں تھیں جو یقیناً انسانیت سوز تھیں۔

یہ سب نابرابری وعدم مساوات کے تصورات اس سبب سے رونما ہوئے کہ ہندو دھرم کی مذہبی کتابوں میں ان امور کا ذکر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ دلت غلامی سے بھی بدتر حالت میں تھے تو غلط نہ ہو گا۔ دستور ہند نے سماج کے پچھڑے طبقے کو کچھ مراعات دے رکھی ہے، مگر عملی طور پر اس کے خاطر خواہ اثرات ظاہر نہ ہو سکے۔ البتہ اب بہت سے دلت چہرے ملک کے سیاسی افق پر نظر آتے ہیں، مگر لا حاصل کہ نمائندگی اپنی سیاسی پارٹیوں کی ہی کرتے ہیں اور المیہ یہ ہے کہ اب تک سیاسی قوت کے طور پر وہی پارٹیاں برسر اقتدار رہیں جن کے سربراہان یا تو خود برہمن سماج سے ہیں یا برہمن واد کے حامی ہیں۔

دستور ہند کی دفعات میں ان کے حقوق کی صراحت کے باوجود دلتوں پر آئے دن ہونے والے مظالم اور ان کے حقوق کی پامالی سماج کے کثیر التعداد طبقے کو بے چین کر رہی تھی۔ عدلیہ ہو یا مقنّنہ، اسمبلی ہو پارلیمنٹ، یا گورننس سسٹم، ہر جگہ برہمن واد کا دبدبہ تھا۔ ایسے میں سماج کے ہر طبقہ کو برابری کا حق دینا اور دلتوں کے ساتھ انسانوں سا سلوک کرنا خام خیالی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ آزاد ہندوستان سے قبل دلتوں پر جو مظالم ہوتے، ان کے ساتھ جو ناروا سلوک ہوتا، وہ ناقابل بیان ہیں۔ آزادی کے بعد بھی یہی سلسلہ چلتا رہا۔

گرچہ ۱۹۵۰ء میں دستور ہند کے نفاذ کے بعد اس میں قدرے تخفیف ہوئی، مگر اب بھی دلت طبقہ مفلسی کی زندگی گزار رہا

تھا۔ملک خارجی و داخلی مشکلات سے دو چار تھا۔اس وقت ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر اور بعد میں کانشی رام جیسے قد آور لیڈر دلت سماج کی نمائندگی کرتے رہے،مگراس نمائندگی کی باضابطہ کوئی تنظیمی شکل نہ تھی۔ان حالات کے پیش نظر ایک ایسی تنظیم کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی جو سماج کے دبے کچلے پسماندہ طبقوں کے سیاسی سماجی اور معاشی مسائل کے کامیاب حل کے لیے حکومت وقت کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرسکے۔

اسی ضرورت کے پیش نظر کانشی رام کو ایک تنظیم کے قیام کا خیال آیا،اور بام سیف (bamcef) کے نام سے ایک تنظیم کی تشکیل ہوئی۔بام سیف ایک ایسی تنظیم ہے جو ہندوستانی سماج کے مظلوم و استحصال شدہ کمیونٹی کی قدر کرتی ہے۔انہیں تحفظ فراہم کرنے کے لیے کوشش کرتی ہے۔اقلیتی طبقات مثلاً مسلم،عیسائی،سکھ،جین،بدھشٹ وغیرہ کو بھی اس میں شامل ہونے کی گنجائش ہے۔بام سیف (bamcef) کا فل فارم درج ذیل ہے۔

"THE ALL INDIA BACKWARD (sc/st/obc) AND MINORITY COMMUNITIES EMPLOYEES FEDERATION"

اس تحریک کا قیام کانشی رام کے ذریعہ ۱۹۷۳ء میں ڈی،کے،کھپارڈے {D.K.KHAPARDE} اور ان کے کچھ ساتھیوں کے تعاون سے چھ سال کی سخت محنتوں کے بعد ہوا۔اس تحریک نے ہندوستان بھر میں زمینی سطح پر کام کرکے ایک انقلاب برپا کردیا۔اس تنظیم کا باضابطہ آغاز ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی موت کی برسی کے موقع پر 6: دسمبر ۱۹۷۸ء کو دہلی میں ہوا۔اس تنظیم کا نظریہ عدم مساوات اور ذات پات کے نظام کو ختم کرنا ہے جو ہندوستانی سماج کو ذات اور برادری کے نام پر تقسیم کرتا ہے۔وکی پیڈیا میں پیش کردہ اس تحریک کا مختصر تعارف منقولہ ذیل ہے۔

"BAMCEF is an organisation which reptresents oppressed and exploited communities in Indian society. Its an abbreviation of "THE ALL INDIA BACKWARD (sc/st/obc) AND MINORITY COMMUNITIES EMPLOYEES FEDERATION". The term backward got its significance from the Indian constitution, which divides the oppressed and exploited Indians into categories on the basic of their backwardness namely;. SC/ST/OBC and minority communities.

BALMCEF was conceived in 1973 by Manyvar Kanshiram, who collaborated with Mr.D.K.Khaparde and other collegues to build the initiative after six years of sigorous field work all over India,"The birth of BAMCEF convention" was held in Delhi in 1978. The organisation was officially launched as a "Federation" on 6 December 1978 on the parinivaran diwas(death anniversary)of DR. Baba Sahab B.R.Ambedkar, the Architect of The Indian constitution. The idealogy of BAMCEF is to fight against the entreched system of ineqality which divides Indian society and to obolish

the caste system."{Wikipedia}

۱۹۸۶ء کے ابتدائی دور میں کانشی رام نے سیاسی مصروفیات کی بنا پر بی ایس پی(B.S.P) کے علاوہ دیگر تمام تنظیموں سے اپنی خدمات منقطع کر لی، جس کے نتیجے میں بام سیف تقسیم ہوگئی۔ بام سیف کا وہ حصہ جو کانشی رام سے منسلک تھا، اب وہ انتخابی تحریکوں میں بی ایس پی کے تعاون کے لیے ایک حمایتی گروپ کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ ٹی، ایس، جھلی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر بام سیف کو رجسٹرڈ کرایا۔ کانشی رام کی موت کے بعد بام سیف ایک خود مختار غیر سیاسی تنظیم کے طور پر کام کرتا رہا۔

۱۹۸۷ء کے بعد سے 29: فروری ۲۰۰۰ء تک ڈی، کے، کھپارڈے(D.K.KHAPARDE) نے بام سیف کے قومی صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دی۔ کھپارڈے کی موت کے بعد ساتھیوں کے باہمی مشورے سے وامن میشرام(WAMAN MESHRAM) کا بحیثیت صدر انتخاب کیا گیا، تب سے آج تک بام سیف کی قیادت وامن میشرام کے ہی ہاتھوں میں ہے۔ بی ایس پی سے قطع تعلق کے بعد ایک مدت تک بام سیف ایک غیر سیاسی تنظیم رہی، پھر حالات کے پیش نظر بام سیف کے جھنڈے تلے ایک سیاسی پارٹی بنام ''بہوجن مکتی پارٹی'' (BAHUJAN MUKTI PARTY) کا قیام عمل میں آیا، یہ ایک رجسٹرڈ سیاسی تنظیم ہے۔ بام سیف کی یہ تمام تفصیل وکی پیڈیا پر موجود ہے۔ افادۂ عامہ کے لیے بعض عبارتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

"In early 1986 BAMCEF split. Kanshiram announced that he was no longer willing to work for any organisation other than The B.S.P. In1987 without Kanshiram, T.S.Jhalli together with other collegues registered BAMCEF. Since than, One element of BAMCEF, Which was associated with Kanshiram has been converted into a shadow organisation to help the B.S.P in electoral mobilization. Those remanining in BAMCEF after Kanshiram's departure registered as an Independent BAMCEF a non political organisation. D.K.Khaparde was national president of BAMCEF from year,1987 to his death on 29 february 2000 at Pune. After death of D.K.Khaparde, in consultation with other collegues Hon.Waman Meshram become the national president of BAMCEF till date. After sepration from B.S.P (The former political wing of BAMCEF) BAMCEF formed their own political wing BAHUJAN MUKTI PARTY. Which is a registerd political party."{Wikipedia}

بام سیف کے مقاصد

(۱) نسلی نظام کے متاثرین کو امید اور مدد فراہم کرنا۔

(۲) مظلوم اور استحصال شدہ غیر سیاسی جڑوں کو تعلیم کے ذریعہ مضبوط بنانا۔

(۳) مثالی اخلاقی اقدار کی نمائش کو تحریض وترغیب کا ذریعہ بنانا۔

(۴) ان مراکز کی تعمیر جس کے ذریعہ مظلوم اور استحصال شدہ کی رہنمائی ہو سکے۔

(۵) حقیقی قیادت پیدا کرنا۔

(۶) ظلم وجبر کے سدھار کے لیے سماج کو مہارت اور وسائل فراہم کرنا۔

Objective of BAMCEF

"To provide hope and help to the victims of the caste system.
To strengthen the non political roots of the oppressed and exploited through education.
To become a source of inspiration by displaying exemplary moral values.
To creat genuine leadership.
To creact direction centres to guide the oppressed and exploited.
To provide resources and skills the society for the amelioration of oppression."{Wikipedia}

تحریک بام سیف کے تعارف اور اغراض ومقاصد کو تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قوم مسلم بھی بیدار ہوکر کوئی اقدام کرے۔ملک ہند کی شودر قوم جو قریباً ساڑھے تین ہزار سال تک مقہور ومظلوم رہی ہے،اس نے ملک ہند پر اپنے بال وپر پھیلا لیا ہے۔ان میں سیاست داں بھی ہیں ،اور سیاسی پارٹیاں بھی۔وہ اپنے سیاسی حقوق کے حصول کے لیے جد وجہد بھی کررہے ہیں۔قوم مسلم جو اس ملک میں گیارہ سوسال تک حکمرانی کرتی رہی ،وہ دلتوں سے بھی بدتر پوزیشن میں ہے۔ ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کے خاتمہ کے بعد قوم مسلم ملک ہند میں بے سہارا ہوگئی ۔انگریزوں کی جانب سے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے ۔ ۱۹۴۷ء میں ملک ہند آزاد بھی ہوگیا،لیکن برہمن واد کا سایہ ملک پر آ پڑا۔شودروں کے ساتھ مسلمانوں کو بھی ہر میدان میں تعصّبات اور عدم مساوات سے دوچار ہونا پڑا۔

شودروں نے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی ،اور وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے۔قوم مسلم پر ایسی غفلت طاری ہے کہ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کی منزل میں نہیں ،حالانکہ اسی ملک میں انہیں بھی زندگی بسر کرنی ہے۔اگر اب تک یوں ہی کام چل رہا تھا تو اب یہ بہت مشکل ہے۔اب پہلے سے زیادہ منظّم ہوکر اسلام دشمن قوتیں اکھاڑے میں اتر آئی ہیں۔ملک گیر پیمانے پر مسلمانوں کی خالص تنظیم ایک مشکل امر ہے،اس لیے تحریک بام سیف میں شریک ہوکر قوم مسلم اپنے آپ کو محفوظ کرنے کی کوشش کرے۔فرقہ وارانہ فسادات میں دلتوں اور شودروں کو ہی مسلمانوں کے خلاف میدان میں اتارا جاتا ہے۔جب مسلم: دلت اتحاد سامنے آئے گا تو بہت حد تک فسادات پر بھی کنٹرول ہوگا۔ ☆☆☆☆☆

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے

طارق انور مصباحی (کیرلا)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم::والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم::وآلہ العظیم

یہ میگزین کی خوش قسمتی ہے یا حسن اتفاق؟

ماہ اپریل ۲۰۱۸ء کا شمارہ جلد چہارم کا پہلا شمارہ ہے۔یہ میگزین کی خوش قسمتی ہے یا حسن اتفاق کہ جلد چہارم کے شمارۂ اول اور ماہ معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مابین زمانی مطابقت آ گئی۔بفضلہ تعالیٰ مضمون حاضر بھی ایسا کہ اگر بندگان خداوندقدوس اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو نہ جانے کتنوں کی قسمت سنور جائے،ساتھ میں راقم ومنتظمین کی بھی۔دراصل مندرجہ ذیل مضمون محقق علی الاطلاق،مجدد صدی یازدہم حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی(۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ)قدس سرہ العزیز کا ہے۔میری حیثیت محض ایک ترجمان کی ہے۔مجھ میں اتنی قوت بھی نہیں کہ ایسا بدیع المثال مضمون لکھ سکوں۔ہاں،جابجا تسہیل وتوضیح کی کوشش کیا ہوں:**اللّٰھم تقبل منی قبولاً حسناً**:آمین

میں نے محدث گرامی کے مضامین سے قابل فہم اور فائدہ بخش مشمولات کو اردو قالب میں منتقل کر کے سنی بھائیوں کو پیش کر دیا ہے،تا کہ عمل آوری کی کوشش ہو۔امید واثق کہ عشاق حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثنا اس کے مفاہیم ومطالب کو اپنے قلب وجگر میں محفوظ کر لیں گے۔ان شاء اللہ تعالیٰ اس مضمون کے ذریعہ خلق کثیر کا باطن عشق نبوی کی شعاعوں سے منور اور قلب خوشبوئے مصطفوی سے معطر ہو جائے گا۔اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے مومن بھائی پڑھیں،اور اپنے آپ کو حرم پاک نبوی کے قریب لے جانے کی کوشش کریں۔تمہارا قالب کہیں بھی رہے،لازم ہے کہ تمہارا قلب حرم مدینہ میں گشت لگاتا رہے۔یہی حب صادق کی نشانی،الفت کامل کی علامت اور عشق دائم کی پہچان ہے۔

میں نے اردو زبان میں مقاصد ومطالب کو نقش بر قرطاس کر دیا ہے۔قارئین مفہوم ومراد کو سمجھنے کے لیے میری تحریر پڑھ لیں اور اثر آفرینی کے لیے اصل کتاب''مدارج النبوۃ''(جلد دوم:تکملہ)کی عبارت پڑھ لیں۔چونکہ شیخ محقق قدس سرہ العزیز عاشق رسول تھے،اس لیے ان کے قول وعمل میں یکسانیت ہے،بایں سبب ان کی عبارتوں کے اثرات طالب صادق پر ظاہر ہوں گے،اور میں تفہیم عبارات کے لیے وسیلہ بنا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اجر وثواب اور حسنات وبرکات سے مجھے بھی سرفراز کیا جائے گا،اور میں طالب ومنتظر بھی ہوں،کیونکہ اہل کرم سے ہی کرم کی آس لگائی جاتی ہے۔سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ جس کو کہیں سے کچھ ملتا ہے،وہ ادھر متوجہ ہو جاتا ہے،اور دربار خدا اور رسول(عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)سے تو سب کو سب کچھ ملتا ہے،پھر اعراض وانحراف اور روگردانی کا سبب کیا ہے؟آ ؤ!کریموں کی بارگاہ میں!!!

یارب تو کریمی ورسول ما کریم　　صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

بندے بلائے آئے ہیں ''جاؤک'' ہے گواہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حب نبوی کی ترغیب کے ساتھ ہمہ وقت تصور مصطفوی میں مستغرق رہنے کی تعلیم دی ہے۔عشق نبوی کے

اسباب وعلل کے بیان میں انھوں نے رقم فرمایا کہ مخلوقات الٰہی میں وہی ذات اقدس ایسی ہے کہ جن سے لازمی طور پر محبت کی جانی چاہئے۔ مختلف قسم کی نعمتوں کے حصول کے لیے دربار اعظم میں مختلف کیفیتوں کے ساتھ حاضری منقول ہوئی ہے۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت (جلد دوم: تکملہ) میں دربار اعظم کی دائمی حاضری اور ربط وتعلق کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں (۱) تعلق صوری (۲) تعلق معنوی، پھر شیخ محدث دہلوی نے ہر ایک کی دو قسم بتائی۔اس طرح کل چار قسمیں ہوئیں۔چاروں قسمیں منقوشہ ذیل ہیں۔

(۱) تعلق صوری قسم اول: کمال اتباع پر استقامت اور قول وفعل میں کتاب وسنت کے امر ونہی پر مواظبت، حضرات ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے معتقدات کا اعتقاد، عزائم امور کے فعل پر اعتماد اور رخصتوں سے اجتناب۔

(۲) تعلق صوری کی قسم دوم: اتباع رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قوی محبت کے ساتھ، تاکہ محبت کا ذوق اپنے تمام وجود میں محسوس کرے۔

(۳) تعلق معنوی کی قسم اول: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کا ذہن میں دائمی استحضار۔

(۴) تعلق معنوی کی قسم دوم: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ کا ظاہر وباطن میں کامل استحضار (مع شرائط وتفاصیل)

شیخ محقق علیہ الرحمہ نے چاروں قسموں کی شرطیں بھی بیان فرمائی ہیں۔اگر شرط کو ملحوظ خاطر نہ رکھا گیا تو فائدۂ تامہ کی امید نہیں۔ذیل میں چاروں قسمیں کی تفاصیل وشرائط مرقوم ہیں۔قارئین ان اقسام چہارگانہ کو بار بار پڑھیں۔جو آپ کی طبعی کیفیت کے موافق ہو، اس کو اختیار کرلیں، اور شرط کا بھی مکمل لحاظ رکھیں۔دراصل مشائخ عظام اسی قسم کی تربیت فرما کر اپنے حاضر باشوں کو لعل وگہر بنادیتے، اور دنیا ان کے شاگردوں کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہ جاتی۔عہد حاضر میں ساری قوت علم پر صرف کی جاتی ہے، عمل کی کوشش بہت کم ہوتی ہے۔

خواجہ غریب نواز اجمیری کی درس گاہ سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جیسے شاگرد ظاہر ہوئے۔آج کی درس گاہوں میں کوئی بختیار کاکی کے مماثل نہیں، کیونکہ ان میں کوئی مربی ومعلم خواجہ غریب نواز کی طرح نہیں۔میں اپنے قارئین کو شیخ محقق دہلوی کی تربیت کی جانب اس لیے مائل کررہاہوں کہ شیخ محقق نے اس جانب عام دعوت دی ہے، اور شرطوں کو بیان فرمادیا ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ شرائط مذکورہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہم آگے بڑھیں گے، اور رب تعالیٰ سے توفیق ومدد کے طلبگار رہوں گے۔ذیل میں شیخ محقق کی عبارتوں کے عام فہم خلاصے رقم کیے جارہے ہیں۔عمل آوری کی نیت شامل مطالعہ ہو تو خیر کثیر کی امید قوی ہے۔اگر عقل وخرد ہے تو آؤ، مدینہ چلیں: واللہ الہادی وہو الموفق

دربار اعظم میں دائمی حاضری

(الف) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوق کے لیے ابتدائے وجود اور ظہور میں واسطہ ہیں۔اسی طرح انتہائے امر یعنی جنت میں اقامت کے لیے بھی واسطہ ہیں، لہٰذا بندوں کے وجود اور ہر موجود کے وجود کے لیے ازل وابد اور اول وآخر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا موجودات میں واسطہ اور وسیلہ نہیں: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

پس اے طالب صادق! تم پر لازم وواجب ہے کہ اس بارگاہ فیض بخش سے متعلق ہوجاؤ، اور ان کے در اقدس کے ہوکر بیٹھ جاؤ، تاکہ دونوں طرف اور دونوں جانب سے لگاؤ حاصل ہو۔

(ب) تمام نعمتوں کے حصول میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ ہونے کے سبب اولیائے کاملین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ نفوس قدسیہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ سے متعلق ہوجاتے ہیں، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در اقدس پر جبہ سائی کرتے رہتے ہیں، اور یہی طریقہ ہمیشہ اہل کمال کا رہا ہے۔حق تعالیٰ جس کو کامل بنانے کا ارادہ فرماتا ہے، اور جس کو مرتبہ بلند تک رسائی عطا فرمانا چاہتا ہے، اسے اس کی توفیق عطا فرمادیتا ہے۔

(ج) جب تم نے اس مفہوم کو جان لیا اور پہچان لیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصور کو لازم کرلو، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در اقدس پر پڑے رہنے کو واجب بنالو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ اس تعلق کی کیفیت اور اس بارگاہ عظیم کی ملازمت نہیں پاسکتے تو ہم اسے کیوں کر حاصل کریں تو جان لینا چاہئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے کی دو قسمیں ہیں: (۱) صوری (۲) معنوی، پھر ہر ایک دو قسمیں ہیں، یعنی کل چار اقسام۔

قسم اول: تعلق صوری

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے تعلق صوری کی دو قسم بیان فرمائی ہے، اور دونوں قسموں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ نوع اول میں جو کچھ بیان ہوا، یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق صوری ہے۔ تعلق صوری شریعت پر عمل کرنے اور طریقت میں عزیمت پر عمل کرنے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں مکمل طور پر مرمٹنے اور ظاہری و باطنی طور پر حضور اقدس کی تعظیم شان کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، پس اے محبت نبوی اور عشق مصطفوی کے طلبگار! تم پر لازم ہے کہ شریعت کی پابندی کرو، رخصت کی تلاش کی بجائے عزیمت پر عمل کرو، محبت نبوی ہی اصل مقصود ہے، پس ان تمام امور کو اختیار کرو، جن سے تمہاری مقصد برآری ہو، یعنی دربار اعظم میں ہمہ دم حاضری ہو۔

اسی قسم اول کی بحث کو مکمل کرتے ہوئے شیخ محقق دہلوی نے فرمایا کہ حضور اقدس سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کے زمرہ میں اصحاب کرام کی تعظیم وتوقیر، اہل بیت عظام کا ادب واحترام اور ان تمام سے محبت بھی شامل ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت وتعظیم میں رب تعالیٰ کی تعظیم ومحبت ہے۔ یہ بات بھی مبنی برحقیقت ہے کہ جب رب تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ سے محبت وتعظیم کا حکم فرمایا ہے تو ان کی تعظیم وتکریم دراصل حکم الٰہی کی تعظیم وتکریم ہے، اور حکم الٰہی کی تعظیم وتکریم خود رب تعالیٰ کی تعظیم وتکریم ہے۔ قرآن مجید میں صریح لفظوں میں حکم الٰہی وارد ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طاعت دراصل رب تعالیٰ کی طاعت ہے، کیونکہ رب تعالیٰ نے ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طاعت کا حکم فرمایا: {مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ}: اللہ تعالیٰ ہم تمام کو توفیق صالح عطا فرمائے: آمین

تعلق صوری کی قسم اول: اتباع شریعت وعمل برعزیمت

تعلق صوری کی پہلی قسم یہ ہے کہ بندۂ مومن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کامل اتباع پر استقامت ومداومت اختیار کرے۔ قول وفعل میں کتاب وسنت کے امرونہی پر مواظبت وپابندی اور ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے معتقدات کا اعتقاد رکھے، کیونکہ علمائے محققین کا اجماع ہو چکا ہے کہ یہ چاروں ائمہ اہل حق ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہی فرقہ ناجیہ ہے۔ اس قسم کے اتباع صوری کا کامل درجہ یہ ہے کہ بندہ عزیمت پر عمل کرے، اور رخصت کی تلاش نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عزیمت پر عمل کا حکم دیتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: {فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ} یعنی جس طرح اولوالعزم مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین نے صبر فرمایا، اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبر فرمائیں۔ الحاصل کامل اتباع کرنے والے کو چاہئے کہ عزیمت کو اختیار کرے اور سہولت ورخصت کی جانب مائل نہ ہو۔

قسم اول کی شرط

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ) نے فرمایا کہ ہم تمہارے لیے وہ چیز پسند کرتے ہیں، جو ہم اپنے لیے پسند کرتے

ہیں، اور یہ قربت وصدیقیت کے مقامات ہیں اور اس کی شرط عزیمت کے امور میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع کرنا اور عزیمت پر عمل کرنا ہے، اور عزیمت کے امور پر عمل کرنے پر تم کما حقہ اسی وقت قادر ہو سکتے ہو، جب تمھیں نفس کی شناسائی اور اس کے اسباب وعلل کی معرفت حاصل ہو جائے۔ یہ بات اہل اللہ میں سے کسی شیخ کامل ہی کے واسطہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ وہی اس بارے میں تمہاری رہنمائی کر سکتا ہے، اور ہر وقت تمہارے اعمال واحوال کے مطابق تمہاری حالت کی معرفت کرا سکتا ہے۔ بلاشبہ کوئی طالب کسی شیخ ومرشد کے واسطہ کے بغیر اپنے موجودہ حال کے موافق نہ کسی چیز کو جان سکتا ہے، نہ پہچان سکتا ہے۔ شیخ کامل ہی اس باب میں اس کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

اے عاقل! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع وپیروی کے طلبگار کے لیے ہمارا کلام روشن اور واضح ہے، لہٰذا تمہیں چاہئے کہ کسی ایسے شیخ کی جستجو میں کوشش کرو، جو تمہیں معرفت الٰہی اور تمہاری اپنی حالت کی معرفت کرانے میں تمہاری رہنمائی کرے، اور جب تم کو ایسا شیخ مل جائے تو اس کے حکم کی مخالفت نہ کرنا، اور اس سے جدا مت ہونا، گرچہ بلائیں اور مصیبتیں تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ اس کی نافرمانی سے پرہیز کرو، اور اس سے اپنا کوئی حال نہ چھپاؤ۔

اگر بدقسمتی سے تم سے کوئی گناہ ہو جائے تو اپنے شیخ سے بیان کر دو، تاکہ وہ اس کو دفع کرنے کی کوشش کرے، اور تمہاری حالت کے مطابق اس کا علاج کرے، یا بارگاہ الٰہی میں دعا کر کے سفارش کرے، تاکہ وہ تمہیں اس ذلت کے کام سے چھٹکارا دلا سکے۔

اور اگر ایسے شیخ سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا، اور کوئی اہل اللہ میں سے تمہیں نہ ملے تو اہل اللہ کے طریقہ کو اختیار کرو۔ اہل اللہ کے چار طریقے ہیں۔ (۱) فراغ قلب (۲) اقبال علی اللہ (۳) مخالفت نفس (۴) دائمی ذکر۔

(۱) فراغ قلب: یہ دنیا اور آخرت میں اپنے دل کو ماسوی اللہ کی طرف مائل ہونے سے خالی کرنا ہے۔

(۲) اقبال علی اللہ: یہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے۔ ایسی محبت جو اغراض وخطرات، عدم التفات اور طلب اجر سے پاک ہو۔

(۳) مخالفت نفس: یہ نفس کی ہر ایسی خواہش کی مخالفت کرنی ہے، جو وہ اپنی پرورش کے لیے طلب کرے، اور نفس کی سب سے بڑی مخالفت ماسوی اللہ کو ترک کرنا ہے۔

(۴) دائمی ذکر: یہ رب تعالیٰ کے جمال وجلال پر نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ اور ہر حالت میں ذکر الٰہی کرنا ہے۔ خواہ ذکر لسانی ہو، یا ذکر قلبی، خواہ ذکر روحی ہو، یا ذکر سری، یا ان سب طریقوں سے ہو۔

تعلق صوری کی قسم دوم: متابعت نبوی ومحبت نبوی

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق صوری کی دوسری قسم یہ ہے کہ بندۂ مومن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ومتابعت اور قوی محبت کرے، تاکہ وہ محبت مصطفوی کا ذوق اپنے وجود میں محسوس کرے۔ بعض اہل محبت نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اپنے دل، اپنی روح، اپنے جسم، اپنی جان، اپنے سر اور اپنے ہر بال میں اس طرح پاتا ہوں کہ جس طرح ٹھنڈے پانی کی سیرابی وٹھنڈک پاتا ہوں، جب میں سخت پیاس اور شدید گرمی میں آب سرد پیتا ہوں۔

قسم دوم کی شرط

اے بندۂ مومن: حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ہر شخص پر فرض عین ہے، اور توقع سے زیادہ فائدہ بخش ہے۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: {اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ} (سورہ احزاب: آیت ٦)

ترجمہ: حضور اقدس رحمت دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کو ان کی جانوں سے زیادہ پیارے ہیں۔

اے بندۂ مومن! تمہارے رسول وشفیع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:{**لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین**}(صحیح البخاری، صحیح مسلم، سنن النسائی، سنن ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، مسند احمد بن حنبل، مصنف عبد الرزاق)

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کے بیٹے اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اے بندۂ خدا! اگر تم اپنے باطن میں حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسی محبت نہیں پاتے، جیسی محبت کا ذکر حدیث پاک میں آیا ہے تو سمجھ لو کہ تمہارا ایمان ناقص ہے۔ اے بندۂ غافل! اپنے رب سے مغفرت طلب کر، توبہ کر اور بخشش کی دعا کر، حضور اقدس سرور انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خوب کثرت کے ساتھ ذکر کر، حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خوب ادب کر۔ آپ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے، اس کے قریب بھی نہ جا، اور دل میں یہ امید پیدا کر کہ اگر میں ایسا ہو گیا تو کل قیامت کے دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھایا جاؤں گا، کیونکہ اس رحیم وکریم آقا اور رحمت کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:{**المرء مع من احب**}(بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، والنسائی فی الکبریٰ) ترجمہ: آدمی جس سے محبت کرتا ہے، (حشر کے دن) اسی کے ساتھ ہوگا۔

قسم دوم: تعلق معنوی

حضور اقدس تاجدار انبیا ومرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین سے تعلق کی دوسری قسم تعلق معنوی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندۂ مومن ہر وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت مقدسہ کو حاضر رکھے۔ تعلق معنوی کی بھی درج ذیل دو قسمیں ہیں۔

تعلق معنوی کی قسم اول: تصور نبوی میں مشغولیت واستغراق

شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز نے قسم اول کی ترتیب وار متعدد صورتیں تحریر فرمائی ہیں۔ محبت نبوی کا طلب گار جس صورت کا اہل ہو، اسی کو اختیار کرے، تاکہ اپنے مقصود ومطلوب کو پالے۔

(۱) اے بندۂ مومن! اگر تم نے کسی زمانہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت مبارکہ خواب میں کی ہو، اور حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال باکمال کے دیدار سے مشرف ہوئے ہو، تو اسی صورت مقدسہ کو ان صفات قدسیہ کے ساتھ بعینہ اپنے قلب میں حاضر کرو۔

(۲) اے طالب عشق! اگر تم اپنے باطن میں اتنی قوت واستطاعت نہ پاؤ کہ حضور اقدس سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کو صفات موصوفہ کے ساتھ بعینہ استحضار کر سکو تو حضور اقدس تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خوب ذکر کرو، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجو، اور ذکر کی حالت میں ایسے بن جاؤ، گویا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں ملاحظہ فرمارہے ہیں، اور تمہارا کلام سن رہے ہیں، اور تم آں پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جلال وعظمت اور حیا وادب کے ساتھ دیکھ رہے ہو۔

اے بندۂ خدا! دل میں یہ اعتقاد رکھو کہ آں حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں دیکھ رہے ہیں، تمہارے کلام کو سن رہے ہیں۔

اے طالب محبت! جان لو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفات باری تعالیٰ کے جلوۂ کامل ہیں، صفات خداوندی کا عکس جمیل وجلیل سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متصف ہیں اور رب تعالیٰ کی صفت قدسیہ ہے:{**اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ**}(شعب الایمان للبیہقی)

یعنی جہاں میرا ذکر ہوتا ہے، میں ان کا ہم مجلس ہوتا ہوں، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس صفت الٰہی سے عظیم ووافر جلوہ اور عکس و پرتو عطا ہوا ہے، پس جہاں کہیں بھی تم اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرو، تم یہ اعتقاد رکھو کہ تمہارا ذکر وفکر ان کی نظروں کے سامنے ہے۔

اے طالب صادق! ہمارے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی سب سے زیادہ معرفت رکھنے والے ہیں، اور صفات الٰہیہ کے سب سے عظیم مظہر کامل ہیں۔ صفات الٰہیہ کے جلوے ذات اقدس نبوی میں موجود ہیں۔

(۳) اے طالب صادق! اگر تم اپنے آپ کو مذکورہ صفت وحالت میں بھی نہ لاسکو، کہ ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حالت میں کرو، اور درود وسلام اس حالت میں پیش کرو کہ آں پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں دیکھ رہے ہیں، اور تمہاری باتوں کو سماعت فرمارہے ہیں، اور تم آں حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب وتعظیم اور تکریم وحیا کے ساتھ کا نظارہ کررہے ہو تو اگر کبھی تم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی زیارت کی ہے۔ گنبد مبارک کو دیکھا ہے تو اپنے ذہن ودل میں روضہ مقدسہ وگنبد مبارک کا تصور جماؤ، اور جب بھی تم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرو، اور درود وسلام پڑھو تو ایسے ہوجاؤ کہ گویا تم روضہ مقدسہ کے سامنے تعظیم وادب کے ساتھ کھڑے ہو، یہاں تک کہ تم ظاہر وباطن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحانیت کا مشاہدہ کرنے لگو۔

توضیح: ایک مدت بعد یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، پھر بندہ رفتہ رفتہ اپنے نفس پر غالب آجاتا ہے اور معاصی کو ترک کردیتا ہے۔

(۴) اگر تم نے کبھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روضہ منورہ نہیں دیکھا ہے، تو ہمیشہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجو اور تصور کرو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارا درود وسلام سن رہے ہیں اور خوب ادب واحترام کی حالت اختیار کرو، تاکہ تمہارا درود وسلام اسی حالت ادب وتعظیم کے ساتھ اس بارگاہ عالم پناہ میں پیش ہو۔

تعلق معنوی کی قسم اول کی تمام صورتوں کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ طالب صادق اپنے تصور میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کو لائے، یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والی صورتوں کو اپنے تصور میں لائے، پھر اسی تصور پر ہمیشہ خود کو قائم رکھے، یعنی اسی تصور مقدس کو اپنے لیے شغل اکبر بنالے، اور یہ تصور انتہائی ہیبت وجلال اور کامل ادب وتعظیم ومحبت وتوقیر کے ساتھ ہو۔ بندۂ طالب جب ان کیفیتوں پر مستمر وقائم ہوجاتا ہے تو سعادت کبریٰ اور رتبہ عظمیٰ سے سرفراز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق صادق عطا فرمائے: آمین

قسم اول کی شرط

جمع ہمت اور حضور قلب کا عظیم اثر ہے، اور لازم ہے کہ جب تم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کرو، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجو تو تم کسی اور مشغلہ میں نہ رہو۔ بے توجہی کے ساتھ درود وسلام پڑھنا جسم بے روح کی طرح ہے۔ ہر وہ عمل جس کو بندہ انجام دیتا ہے، اس کا دارومدار حضور قلب کے ساتھ ہے۔ توجہ کامل کے ساتھ انجام پانے والا عمل ایک زندہ عمل ہے۔ غفلت اور دیگر امور میں مشغولیت کے ساتھ انجام پانے والا عمل ''بے روح جسم'' کی طرح ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

{إِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ} (صحیح البخاری: حدیث اول) یعنی تمام اعمال کا دارومدار نیتوں اور قلبی ارادوں پر موقوف ہے۔

تعلق معنوی کی قسم دوم

تعلق معنوی کی دوسری قسم ایک مشکل مرحلہ ہے۔ ہر کوئی اس پر قادر نہیں ہوسکتا۔ ہاں، شروع کے بعض مراحل کے بعد اس منزل تک رسائی آسان ہوسکتی ہے۔ جو نفوس عالیہ ''عشاق رسول'' ہیں، وہ ان چار منزلوں میں سے کسی منزل میں ضرور ہوتے ہیں، جبکہ بقدر فرض ہر

مومن خدا ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے محبت کرتا ہے۔ان نفوس عالیہ کی یہ محبت درجہ فرض کے علاوہ استحبابی درجہ میں ہے۔ حدیث قدسی میں رب تعالیٰ نے ارشادفرمایا کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہوجاتا ہے (صحیح بخاری) اسی طرح بندۂ مومن حب استحبابی کے ذریعہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب تر ہوجاتا ہے۔

تعلق معنوی کی دوسری قسم یہ ہے کہ حضوراقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا ان اوصاف کمالیہ کے ساتھ تصور و استحضار کیا جائے ،جن صفات عظمیٰ سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سرفراز فرمایا ہے۔عوام مسلمین اس منزل کی تفاصیل کے ادراک پر قادر نہیں ،ارباب شوق اس منزل کی تفصیلات وشرائط کے لیے مدارج النبوت (جلد دوم: تکملہ) کی جانب رجوع فرمائیں۔ماوشما اپنے آپ کو ماقبل میں بیان کردہ تین صورتوں میں سے جس صورت کے اہل پائیں ،اسے ضروراختیار کرلیں۔دربار اعظم سے دینی ،دنیوی، ظاہری وباطنی ہرقسم کے حسنات وبرکات سے سرفرازی حاصل ہوگی۔وہ ایسا عظیم دربار ہے کہ جانے والا کبھی واپس نہیں آتا۔

مقاصد ونتائج

شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں بحث کے اخیر میں لکھا:''وصیت می کنم ترا اے برادر! بدوام ملاحظہ صورت ومعنی او،واگر چہ باشی تو متکلف ومتحضر،پس نزدیک است کہ الفت گیردروح تو بوے،پس حاضر آید ترا اوے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیاناً ویابی اوراوحدیث کنی باوے وجواب دہد ترا اوے وحدیث گوئید باوو خطاب کند ترا''۔(مدارج النبوت جلد دوم ص ۷۸۹-نول کشورلکھنو،سن طبع ۱۸۸۰ء)

اے بھائی: میں تمہیں حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت مقدسہ اورآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات کو ہمیشہ تصور میں رکھنے کی وصیت کرتا ہوں،اگر چہ تم تکلف اوراستحضار کی کوشش کے ساتھ ایسا کرو،پس عنقریب تمہاری روح آں پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ الفت گیر ہوجائے گی،اور تمہیں ظاہری طور پر حضوراقدس سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جمال باکمال نظر آئے گا،اور تم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرف ہم کلامی کروگے،اور حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جواب عنایت فرمائیں گے۔تم عرض کروگے اور حضور تمہیں خطاب فرمائیں گے۔

محقق علی الاطلاق نے تحریر کیا کہ حضوراقدس سرور دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں یہ حاضری گر چہ تصور، تخیل اور تفکر کی منزل میں ہے،لیکن یہ دربار اعظم میں حاضر رہنے کا باعث اور دربار اعظم میں قرب پانے کا ذریعہ ہے،جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھنے والا قیامت میں میرے بہت قریب ہوگا۔

{عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ خَادِمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:اِنَّ اَقْرَبَكُمْ مِنِّيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ كُلِّ مَوْطِنٍ اَكْثَرُكُمْ عَلَيَّ صَلَاةً فِي الدُّنْيَا}(شعب الایمان للبیہقی ج۳ص۱۱۱)

ترجمہ:حضوراقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ تم لوگوں میں قیامت کے دن ہر مقام پر مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجتا ہے۔

اے طلبگار محبت! کامل توجہ کے ساتھ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ کا قوی تصور دل ودماغ میں بسا کر درودشریف کی کثرت کرو۔اپنے آپ کوادب وتعظیم کے ساتھ دربار اعظم میں دست بستہ بحالت قیام حاضر سمجھو۔رفتہ رفتہ جب یہ تصور ثابت ومستقر ہو جائے گا،اور یہ کیفیت تمہارے باطن میں قرارپکڑ لے گی تو اس کے اثرات وبرکات کا ظہور بھی تمہاری ذات میں ہوگا،یہاں تک تم رسائی پاؤ، پھر تمہارے احساسات وتصورات خودتمہاری دستگیری کو حاضر ہوں گے: وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ العظیم

آئینہ: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) پر بے لاگ تبصرہ

از: نعمان احمد حنفی (پٹنہ)

تبصرہ: بر شمارہ دسمبر ۲۰۱۷ء

ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کا شمارہ دسمبر ۲۰۱۷ء پیش نظر ہے۔ اس کا اداریہ ایک نوید صبح لے کر نمودار ہوا ہے۔ عنوان ہے: ''فقہ و فتاوی کی ویب سائٹ www.alhaneef.com کا آغاز''۔ اس میں مدیر اعلیٰ مولانا فیضان المصطفیٰ قادری نے ''الحنیف ڈاٹ کام'' کے اغراض ومقاصد اور طریقہ کار پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے بقول اہل سنت و جماعت اور فقہ حنفی کی نمائندگی کرنے والی یہ پہلی خالص فقہ وفتاوی کی ویب سائٹ ہے، اور وہ بھی بین الاقوامی زبان انگلش میں ہے، تاکہ پوری دنیا کے مسلمان خصوصاً عصری اداروں کے طلبہ اور دانش وران شرعی مسائل کے حل کے لیے اس کی طرف رجوع کر سکیں۔ ہم اس پہل پر مدیر اعلیٰ سمیت ان کی پوری ٹیم کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

مضمون کے اس ابتدائی جملے ''جن لوگوں نے حضرت گوگل کی عادت ڈال لی ہے، وہ اس کے بغیر آسودہ ہی نہیں ہوتے'' (ص:۵) پر مجھے طالب علمی کا وہ زمانہ یاد آ گیا، جب ہمارے بعض احباب اس کی افادیت کے پیش نظر بڑے پیار سے مسجع انداز میں ''محقق بے بدل، علامہ گوگل'' کہا کرتے۔ بہرحال ہمیں ان تمام جدید ایجادات سے فائدہ حاصل کرنا چاہئے۔ شریعت اسلامیہ نے جن امور پر کوئی پابندی عائد نہ فرمائی ہو۔ وہ ایجادات اپنوں کی ہوں، یا غیروں کی۔ اہل یورپ نے قوم مسلم کے علوم وفنون اور تحقیقات واکتشافات کو اپنا کر اپنا حال و مستقبل روشن و تابناک بنالیا ہے، پس جو کچھ جدید ایجادات ہیں، ان میں کہیں نہ کہیں ہمارے اسلاف کرام کی جانفشانیوں کا بھی حصہ ضرور شامل ہے۔

مدیر اعلیٰ نے شرعی مسائل سے مسلمانوں کی لاعلمی کی ایک وجہ پیشہ وارانہ مصروفیات کے ساتھ ساتھ علم دین اور علمائے دین سے دور و نفور رہنے کا مزاج بھی بتایا ہے، اور ان کے حق میں دعائے ہدایت بھی فرمائی۔ اس جملے کو پڑھ کر یہودیوں کی عالمی تنظیم Muslim leadership initiative کی طرف میرا ذہن چلا گیا۔ اس کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ غلط الزام تراشی کے ذریعے معاشرہ میں موجود با اثر علما کی کردار کشی کی جائے۔ سال ۲۰۰۴ء میں اس تنظیم کی بنیاد رکھی گئی، اور ابھی اس کے ارکان کی تعداد چھ ہزار کے قریب ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ممبران میں ایک بھی بے اثر، کم علم، یا عوامی طبقے سے نہیں، بلکہ سب کے سب مسلم طبقہ کی مؤثر شخصیات، مسجد کے ائمہ، علما اور مؤذنین جیسے لوگ شامل ہیں۔ یہ وقتاً فوقتاً نامور اور بااثر مسلم شخصیات کو شخصی طور پر بے اثر کرنے کی غرض سے سوشل میڈیا، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کا سہارا لیتے ہیں، اور قسم قسم کے الزامات کے ذریعے انھیں بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہندوستان میں آئے دن فتویٰ کو نشانہ بنانا اور علما کی شخصیت کو اچھال کر انہیں بے عزت کرنا اسی کا ایک شاخسانہ ہے۔ ع/ دیکھ اپنی سادگی اوروں کی عیاری بھی دیکھ

مولانا کوثر امام قادری نے سلسلہ وار مضمون ''مشکل احادیث اور ان کا حل'' کی بارہویں قسط سپرد قوم فرمایا ہے، جس میں حرم کو حرم کس نے بنایا؟ آل رسول کون حضرات ہیں؟ اور کفار کو سلام کرنا کیسا ہے؟ سے متعلق بظاہر متعارض احادیث کو جمع کر کے تطبیق کی صورتیں پیش کی ہیں۔ یہ مضمون نہایت قیمتی افادیت پر مشتمل ہے۔ اس کالم میں ان احادیث مقدسہ پر تحقیق پیش کی جائے، عہد حاضر میں مسلمانوں کو جن احادیث مبارکہ کی تحقیق وتشریح کی ضرورت ہو، ورنہ احادیث کریمہ کا باب بہت وسیع ہے۔ ''شرعی مسائل'' کے کالم میں حضرت مفتی عالمگیر رضوی مصباحی نے موقع کی مناسبت سے عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ حضرت مفتی موصوف نے اعلیٰ حضرت کی تحقیق کے مطابق تاریخ ولادت نبوی 12 ربیع الاول شریف لکھی ہے، اور یہی درست بھی معلوم ہوتی ہے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ امام احمد رضا محقق بریلوی کی تحقیق کے مطابق تاریخ ولادت 8: ربیع الاول ہے، مگر مجھے اس پر اطمینان نہیں، کیوں کہ یہ صحیح ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اہل زیجات کا قول نقل فرمایا ہے کہ علم زیجات کے حساب سے 8: ربیع الاول تاریخ ولادت ہونی چاہئے، اور علم ہیئت کی روشنی میں اس کی وضاحت بھی کی ہے، مگر اعلیٰ حضرت اس نظریے سے اتفاق بھی رکھتے ہیں، اس کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، وہ بھی اس وقت جب کہ اسی تحریر میں ایسی باتیں بھی مذکور ہوں، جس میں اہل زیجات کے موقف کے رد کا اشارہ ملتا ہو۔ چناں چہ اعلیٰ حضرت نے جمہور علمائے اہل سنت ومؤرخین کے مطابق تاریخ ولادت 12: ربیع الاول اور اہل ہیئت وزیجات کے مطابق 8: ربیع الاول بتایا ہے، پھر دونوں تحقیقات کو ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے: {ومجرد ملاحظة الغرة الوسطية يظهر استحالة سائر الاقوال ما خلا الطرفين والعلم بالحق عند مقلب الملوين} یعنی محض غرہ وسطیہ کو دیکھنے سے طرفین کے علاوہ تمام اقوال کا محال ہونا ظاہر ہوجاتا ہے، اور حقیقی تاریخ کا علم شب وروز کے بدلنے والے خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔ (رسالہ نطق الہلال بارخ ولاد الحبیب والوصال: فتاوی رضویہ ج ۲۰ ر ص ۵۰۷- امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف) پھر اس کے بعد قول جمہور کو اپنانے اور اس کے مطابق عمل پر زور دیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ نے ربیع الاول شریف کے جلوس کے بارے میں جو یہ مطلقاً لکھا ہے (۱) ڈی جے بجانا ناجائز وگناہ ہے، خواہ کہیں یہ بجایا جائے۔ (۲) جلوس محمدی نکالیں، مگر بہرصورت ڈی جے بجانے سے اجتناب کریں، ورنہ ڈی جے بجانے کے سبب گنہ گار و مستحق عذاب نار ہوں گے۔ (ص ۱۴) ان جزئیات پر مزید غور وفکر کی ضرورت ہے۔ ڈی جے کا مفہوم ہے "Play recorded music on radio or at a club or party"۔ کیا ڈی جے بجانا مطلقاً ناجائز ہے، یا جب ناجائز گانے وغیرہ بجائیں، تب ناجائز ہوگا؟ اور جائز امور مثلاً نعت خوانی، منقبت خوانی اور وعظ وتقریر وغیرہ امور مباحہ حکم سے مستثنیٰ ہوں گے؟ یا ڈی جے بجانا بہرصورت لہو ولعب میں شمار ہوگا؟ ڈی جے میں کسی بھی ریکارڈ کردہ میٹر کو بجایا جاسکتا ہے۔ وہ جائز مواد بھی ہوسکتے ہیں اور ناجائز بھی۔ مفتی موصوف کو وضاحت کرنی مناسب ہے۔

صفحہ نمبر: 12: پر سوال نمبر 5: میں ہے: کچھ لوگ اس زمانے میں قیام میلاد کرانے کو ضروری سمجھتے ہیں، اور نہ کرنے والوں پر لعن وطعن کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ سنی ہونے کے لیے یہ سب (قیام، میلاد و فاتحہ) ضروری ہے۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کا جواب یوں دیا گیا: میرے علم کے مطابق کوئی بھی سنی (سنی ہونے کے لیے) اعمال مذکورہ وامور مذکورہ ومعمولات اہل سنت (قیام، میلاد، فاتحہ ونیاز وغیرہ) کو واجب ولازم وضروری نہیں سمجھتا ہے۔ البتہ ہر ایک سنی صحیح العقیدہ شخص امور مذکورہ کے بجالانے کو صرف جائز و مستحسن ومستحب و باعث خیر وبرکت، بلکہ موجب اجر وثواب سمجھتا ہے، اور بس (ص ۱۴)

دور تابعین وتبع تابعین میں فقہ اسلامی کے دو بڑے مکتب فکر تھے، ایک حجازی دوسرا عراقی۔ حجازی مکتب فکر کا ایک خاص رجحان یہ تھا کہ جو مسائل ابھی تک پیش نہیں آئے، ان کے بارے میں سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا۔ وہاں تقدیری اور فرضی سوالوں کے جواب دینے کی بجائے سائل کو سختی کے ساتھ منع کردیا جاتا، اور فرما دیا جاتا کہ ابھی یہ معاملہ پیش نہیں آیا ہے، جب ہوجائے، تب بتانا۔ جب کہ عراقی مکتب فکر (جس کی کامل قیادت ورہنمائی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی) کے یہاں فرضی اور تقدیری سوالوں کے نہ صرف جواب دیئے جاتے تھے، بلکہ باضابطہ اس کے لیے فقہی مجلسیں قائم ہوا کرتی تھیں۔

مفتی موصوف کے مذکورہ جواب کو پڑھنے کے بعد یوں محسوس ہوا کہ حضرت نے سوال نمبر 5: کو فرضی اور تقدیری سمجھا ہے، اور حجازی موقف کے اعتبار سے جواب رقم فرمایا ہے، حالانکہ بعض علاقوں میں ناخواندہ عوام کے خیالات اسی قسم کے ہیں۔ اب سوال ہے کہ ایسا اعتقاد رکھنے والوں پر کیا حکم شرعی عائد ہوتا ہے؟ بہتر ہے کہ عامۃ المسلمین کو سنی: دیوبندی اختلافات کے اصل اعتقادی مسائل سے مطلع کیا جائے، تاکہ لوگ فاتحہ، نیاز وغیرہ ہی کو اصل اختلافی مسائل نہ سمجھ لیں۔ تبلیغی جماعت نماز وعبادات کے نام پر مسلمانان اہل سنت کو اپنی جماعت میں

شامل کرتی جارہی ہے، اصل حقائق کی جانکاری کے بعد عام مسلمان تبلیغی جماعت کے فریب سے بھی محفوظ ہوسکیں گے۔ غیروں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ سنی و دیوبندی مسلک میں صرف معمولات یعنی فاتحہ، نیاز، عرس ومیلا دوغیرہ کا فرق ہے۔ عقائد سب کے یکساں ہیں۔

''امام احمد رضا اور ا کا برامت کا دفاع'' کے عنوان سے مفتی فیضان المصطفٰی قادری کی قسط وار تحریر دلچسپی کا سامان بن رہی ہے۔ مولانا خالص علمی مباحث کو سلیس انداز میں پیش کرنے کا ہنر خوب جانتے ہیں، ورنہ ہم جیسے لوگ تو اعلیٰ حضرت کی عبارتوں ہی میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ ایک جگہ حوالے میں ''فتاویٰ رضویہ چہارم قدیم'' لکھا ہے۔ قارئین سے عرض ہے کہ اس سے بارہ جلدوں والی غیر مترجم فتاویٰ رضویہ مراد ہے۔

مولانا طارق انور مصباحی نے ''بہ مصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست'' کے عنوان سے جشن بہاراں پر انتہائی والہانہ مضمون تحریر کیا ہے۔ سطر سطر سے عشق نبوی کی خوشبوئیں پھوٹ کر فضائے ہند کو معطر کر رہی ہیں۔ ساتھ ہی محقق علی الاطلاق علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م۱۰۵۲ھ) خاتم الفلاسفہ علامہ فضل حق خیرآبادی (م۱۲۷۸ھ) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہم الرحمہ والرضوان جیسے مینار ان رشد وہدایت اور اہل ہند کے دلوں میں عشق مصطفوی کے چراغ روشن کرنے والی ان پاکیزہ ہستیوں کی مختصر داستان وفا بھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی اس عاشقانہ عبارت کے بارے میں بد مذہبوں کی خیانت پر ایک عظیم انکشاف بھی کیا ہے، جس میں شیخ نے بحالت قیام تحفہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کو ایک عظیم اور مقبول عمل قرار دیا ہے۔ مولانا مصباحی لکھتے ہیں:

''یہ فضیلت مجلس مولود کے قیام وسلام کے ساتھ خاص نہیں۔ دیوبندیوں نے اخبار الاخیار کے اردو ترجمے میں مجلس مولود کا اضافہ کردیا ہے۔ میں نے اصل فارسی عبارت اسی لیے نقل کردی، تاکہ اہل علم حقائق پر واقف ہوسکیں''۔ (ص۳۱)

مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی قدس سرہ العزیز کے بارے میں یہ حقیقت پسندانہ تجزیہ بھی خوب لگا کہ:

''حیرت خود محو حیرت ہے کہ یہاں عشق وفلسفہ یکجا ہیں، ورنہ فلسفیانہ دل ودماغ محبت سے بعید تر ہوا کرتے ہیں''۔ (ص۳۲)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی کا تعارف عمومی طور پر ہم نے جس انداز میں پیش کیا ہے، وہ حد درجہ افسوسناک ہے، اور اسٹیج کا طبقہ اس جرم میں برابر کا شریک نظر آتا ہے، مگر روایت سے کچھ ہٹ کر جب اس بار مولانا کی تحریر پڑھی تو یقین جانیں، فرحت ومسرت سے دل جھوم اٹھا۔ واقعی اسی انداز میں امام اہل سنت کا تعارف پیش کیا جانا چاہیے تھا۔ ایک جگہ مولانا لکھتے ہیں:

''علامہ خیرآبادی مذہب وہابیہ کے بالمقابل ہندوستان میں ارباب تسنن کے قائد اول ہیں''۔ (ص۳۲)

اس جملے میں ارباب تسنن کا جو استعمال ہوا ہے۔ اولاً: یہ خالص اردو داں طبقہ کے لیے ایک اجنبی لفظ لگتا ہے۔ دوم: اردو زبان میں طبقہ علما کے یہاں بھی یہ لفظ مستعمل نہیں، لہٰذا اس کی جگہ ''ارباب اہل سنت'' وغیرہ آسان اور مروج الفاظ کا استعمال بہتر ہوگا۔ ص34: پر ایک جگہ لفظ ''مصرعہ'' دیکھنے کو ملا، گو کہ یہ بھی مستعمل ہے، مگر ''مصرع'' زیادہ مستعمل ہے۔

مولانا جاوید احمد عنبر مصباحی کا مضمون ''ہم عید میلا دالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے منائیں؟'' اپنے موضوع پر بھرپور مواد لیے ہوئے ہے۔ اس مضمون میں کچھ تلخ باتیں بھی درآئی ہیں۔ دراصل حقائق تلخ ہی ہوا کرتے ہیں، اور بیمار معاشرے کو دوا کی تلخی کی بجائے اپنے علاج پر دھیان دینا چاہیے۔ ان کا یہ فلسفانہ جملہ پسند آیا کہ: ''محسن کا تذکرہ اور اس کی یادوں پر خوشی کا بیانیہ ہر صحیح العقل انسان کے نزدیک درست ہے، یوں کہہ لیں کہ دو اور دو چار کی طرح یہ قضیہ بھی مسلم ہے''۔

''ذرائع ابلاغ کے ذریعے اسلام کی منفی شبیہ کی تشہیر اور مسلمانوں کی بے بسی کا المیہ'' کے عنوان سے محترم غلام مصطفٰی رضوی (مالیگاؤں) نے مختصر، مگر اچھا لکھا ہے۔ عنوان کی طوالت سے متعلق عرض ہے کہ یہ جس قدر مختصر ہو، بہتر ہے۔ ہاں، اتنا بھی مبہم نہ ہو کہ مشمولات مخفی رہ جائیں۔ اسی طرح اسلام کی ''منفی شبیہ کی تشہیر'' کی بجائے ''اسلام کی منفی تشہیر'' لکھ کر عنوان کو اعتراض کی زد سے بچایا جاسکتا ہے۔ بہر حال یہ

کوشش لائق ستائش ہے، بلکہ میری تمنا تو یہ ہے کہ آپ اس موضوع پر تفصیل سے لکھا کریں اور اسلام کا دفاع کرتے رہیں۔ یہاں پر مولانا طارق انور مصباحی سے مخاطب ہو کر یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اگر موصوف تیار ہو جائیں تو پھر ایک ایسا مستقل کالم شروع کریں کہ اس میں میڈیا کے منفی رویے پر کھل کر بحث ہو سکے، اور اہل میڈیا کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا جائزہ لیا جا سکے۔ اس طرح پیغام شریعت کے پلیٹ فارم سے ایک اچھا پیغام جائے گا، اور میڈیا کی اسلام دشمنی جو بعض لوگوں کے نزدیک دعوے کی حد تک ہے، دلیل کی صورت میں بھی نکھر کر سامنے آجائے گی۔

اس شمارے کے ص 18: پر یہ اعلان پڑھنے کو ملا کہ ہر ماہ کا شمارہ فیس بک پر اپ لوڈ کر دیا جاتا ہے، لہٰذا اسے اپنے احباب اور دوستوں کو شیئر کریں۔ اب اس پر اتنا اور اضافہ ہونا چاہیے کہ فیس بک کے علاوہ ''ٹیلی گرام'' پر بھی ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کا مستقل چینل موجود ہے۔ احباب آسانی کے ساتھ ہر ماہ کا شمارہ وہاں سے حاصل کر سکتے ہیں۔ چلتے چلتے یہ بھی بتادوں کہ اس بار کا ٹائٹل پیج کچھ زیادہ ہی پسند آیا، بنانے والے مبارک بادی کے مستحق ہیں، بشرطیکہ آئندہ بھی توجہ کامل کے ساتھ زینت و آرائش کریں کہ ٹائٹل پیج جاذب نظر، دلکش و دل آویز ہو۔

تبصرہ: بر شمارہ جنوری ۲۰۱۸ء

جنوری ۲۰۱۸ء کا شمارہ زینت نگاہ ہے۔ اس بار کا اداریہ کیا ہے؟ وہی مرثیہ و ماتم کہ فلاں یہ کر رہا ہے، اور فلاں وہ کر رہا ہے، اور ہم مسلمان ہاتھ پر ہاتھ دھرے تماشہ بینی میں لگے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اب ہمارے پاس اس کے سوا اور بچا ہی کیا ہے۔ پورے دو صفحے کے مضمون میں دنیا بھر کے ظلم و ستم کی داستان اور مسلمانوں کی بے بسی رقم کی گئی ہے۔ اخیر ایک اہم تجویز پیش کی گئی، جس پر صاحبان فکر و عمل کو ضروری طور پر توجہ کی ضرورت ہے۔ محترم مدیر اعلیٰ لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک ملک کی اس نازک صورت حال میں حلف الفضول کی تاریخ دہرانے کا وقت آگیا ہے، اور ایسا ماحول برپا کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک عام ہندوستانی، نفرت زدہ ماحول سے نکلنے کی کوشش کرے، اور ایسی انتہا پسندی سے نفرت کرنے لگے جو قتل و غارت گری کو دعوت دیتی ہو۔ سیرت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا وہ مکی دور یاد آتا ہے، جب آپ نے حلف الفضول جیسی مثال قائم کر کے امن عامہ کو یقینی بنایا تھا''۔ (ص:٦) یہ حلف الفضول کیا ہے؟ ہوسکتا ہے بہت سے لوگوں کے لیے یہ جملہ کچھ نیا ہو، گرچہ اہل علم اس سے واقف ہیں۔

سال ۵۹۰ء میں یمن کے شہر زبیدہ کا ایک باشندہ تجارتی ساز و سامان لے کر مکہ آیا تھا۔ سرداران مکہ میں سے عاص بن وائل نامی ایک شخص نے اس سے تجارتی سامان لے لیا، اور چند دنوں تک ٹال مٹول کے بعد اس کا حق دینے سے مکر گیا۔ چوں کہ قریش کی نظر میں اس کی شرافت اور رعب و دبدبہ کی بڑی دھاک تھی، اس لیے کوئی قبیلہ اس مظلوم تاجر کی نصرت و حمایت کی خاطر آگے نہ بڑھا۔ چناں چہ اس بے یار و مددگار تاجر نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر اپنی مظلومیت کی داستان سنانی شروع کر دی اور رو رو کر اپنی بے بسی بیان کی۔ حضور اقدس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اس وقت 20: سال تھی۔ مظلوم کی پکار سن کر آپ کے چچا جناب زبیر بن عبدالمطلب نصرت و حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، اور عبداللہ بن جدعان کی سرپرستی میں چند طاقتور قبائل کی میٹنگ طلب کی۔ چناں چہ پانچ قریشی قبائل بنو ہاشم بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو حارث جمع ہوئے اور حسب ذیل معاہدے پر متفق ہو کر سبھوں نے اپنا حلفیہ اعلامیہ جاری کیا۔

''خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ بن جائیں گے، اور وہ مظلوم کے ساتھ رہ کر اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا رہے گا، تا آنکہ وہ اس مظلوم کا حق نہ ادا کر دے، اور یہ اس وقت تک ہے جب تک سمندر گھونگھوں کو بھگوتا رہے، اور حرا و ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ قائم رہیں، اور ہماری حیثیت میں مساوات رہے گی''۔ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۵۴: مفہوماً و ملخصاً، نگارشات پبلشر لاہور)

اس طرز کی ایک اور ہندوستانی تحریک ''بام سیف'' بھی ہے، جس کو حلف الفضول کی بازگشت بھی کہہ سکتے ہیں۔ آج کل یہ ہندوستان میں بڑی تیزی سے اپنا قدم جما رہی ہے۔ اس تحریک کے مقاصد اور ہندوستان کے موجودہ حالات کا تقابل کریں تو اب الگ سے اس طرح کی

کوئی تنظیم قائم کرنے کی بجائے اس ہنگامی صورت میں اس کا ساتھ دینے میں عافیت نظر آتی ہے۔ بام سیف کے بارے میں مولانا طارق انور مصباحی کا نظریہ اسی شمارے میں شائع بھی ہوا ہے۔ اس کا ایک اقتباس حاضر خدمت ہے۔

''دلتوں نے کئی دہائیوں سے بام سیف (Bamcef) نامی تحریک چلا رکھی ہے۔ ذمہ داران تحریک کی مسلسل محنتوں کو دیکھ کر ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ آج یا کل وہ ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ چوں کہ شودروں پر برہمنی مظالم اور ذات پات کے نظام کے سبب وہ بددل ہو چکے ہیں، اس لیے وہ ہندومت کی جانب زیادہ مائل نہیں، بلکہ وہ خود کو ہندو بھی نہیں مانتے۔ ابھی بام سیف کے اسٹیج سے مسلمانوں کی حمایت کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے قومی تشخص کے تحفظ اور مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے برہمنی مظالم کے سد باب کے لیے بام سیف کی تائید اور سیاسی معاملات میں ان کے ساتھ شرکت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ شرعی احکام مفتیان کرام سے معلوم کیے جائیں''۔ (ص: ۵۰)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی منیب الرحمان مدظلہ العالی کی بعض اعتقادی اور عملی کمزوریوں کی اصلاح کی خاطر رقم کردہ فکر انگیز تحریر ''اصلاح عقائد واعمال'' کی یہ چوتھی قسط ہے۔ اہل سنت و جماعت کے فروغ و ترویج کے لیے جو امام احمد رضا محقق بریلوی نے بارہ نکاتی منشور مرتب فرمائے ہیں، مفتی ممدوح نے ان کا خلاصہ نہایت سہل انداز میں پیش کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے تمام رسائل پر اس انداز میں کام ہونا چاہیے۔ آئندہ سال اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے وصال کے سو سال پورے ہو رہے ہیں۔ اس موقع پر ''رضا صدی'' کی مناسبت سے بہت سی تنظیمیں اپنے اپنے طور پر خراج عقیدت پیش کرنے کی تیاری کر رہی ہیں، اس لیے گذارش کی جاتی ہے کہ ہر تنظیم کم از کم دس رسائل کی اشاعت وطباعت کی ذمہ داری قبول کرے، اور باصلاحیت علما کے ذریعے ان رسالوں کا آسان خلاصہ بھی شامل اشاعت ہو۔ جلسوں میں آس پاس کے مقررین کا انتخاب ہو، تا کہ خرچ کم ہو۔ قومی رقم ردی یا خدمات پر خرچ کی جائے۔

ماہنامہ پیغام شریعت: جولائی ۲۰۱۷ء کے تبصرے میں مولانا ازہار احمد امجدی ازہری کے مضمون ''ایک مجلس میں تین طلاق ایک؟'' سے متعلق میں نے لکھا تھا۔ ''ترجمہ نگاری کے دوش پر سوار ہو کر دوسروں کی تحقیقات و کاوشات کو اپنے نام کر لینے کا ہندوستانی انداز بڑا مشہور ہے، مگر موصوف نے علمی دیانت داری کا ثبوت دیتے ہوئے مقالے کے آغاز میں صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا ہے کہ یہ ان کا کوئی طبع زاد مقالہ نہیں، بلکہ مشہور صوفی بزرگ شیخ سلامہ قضاعی شافعی (م ۱۳۷۶ھ) کی کتاب ''البراہین الساطعہ'' کا ترجمہ و تلخیص ہے''۔ (دسمبر ۲۰۱۷ء ص: ۴۲)

اکتوبر ۲۰۱۷ء سے مولانا ازہری کا قلم انتہائی تحقیقی مضمون بنام ''شیعہ امامیہ اور اصول روایت: عرض ونقد''، ہمیں پیش کر رہا ہے۔ ان کی یہ علمی تحقیقات لائق صد تحسین ہیں۔ جامع ازہر کے کلیہ اصول الدین (قاہرہ) کے شعبہ علوم حدیث میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے پیش کردہ 563: صفحات پر مشتمل عربی مقالہ ''اصول الروایۃ عند الشیعۃ الامامیۃ: عرض ونقد'' از: ڈاکٹر عبدالمنعم فرماوی اس باب کی ایک طویل تحریر ہے۔ مزید تحقیق و تدقیق کے شائقین اس مجموعہ سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ فاضل ازہری اگر اپنے مضامین کو کتابی شکل میں شائع فرماتے تو ارباب تحقیق کو تمام ضروری امور یکجا دستیاب ہوتے۔ میگزین کا ہر شمارہ دستیاب ہونا، پھر ان متفرق اوراق میں تمام کو پڑھنا ایک مشکل امر ہے۔

''برما میں روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی خوں بار داستان'' کو مولانا سید شہباز اصدق سہسرامی نے تاریخی زاویئے سے بیان کیا ہے۔ پورا مضمون برمی مسلمانوں کی بے بسی اور فرعون صفت اہل اقتدار کی چیرہ دستیوں پر ماتم کناں ہے۔ پڑھ کر آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ آخر میں یہ روح فرسا خبر بھی پڑھنے کو ملی کہ دہلی میں مقیم روہنگیائی مسلمانوں کے ایک سو پچاس افراد معاشی بدحالی کے سبب اپنا مذہب ترک کر کے عیسائی بن گئے۔ دہلی اقلیتی کمیشن کے چیئر مین ڈاکٹر ظفر الاسلام نے س70: لوگوں کی تبدیلی مذہب کی تصدیق کر دی ہے (ص: ۳۷)

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے   امت پہ تیرے آکے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے   پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

''رموز واوقاف: تفہیم وتعارف'' کے عنوان سے مولانا حسان المصطفٰی امجدی نے ایک گراں قدر معلوماتی مضمون تحریر کیا ہے۔ یہ دیکھ کر بھی بے حد خوشی ہوئی کہ قواعد وضوابط ذکر کرنے کے بعد اہل سنت وجماعت کے اقدار وروایات پر مشتمل مثالیں ترتیب دے کر ان کو منطبق کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس حسین کاوش کا خیر مقدم ہے۔ ''غیر مسلموں کی دوکان پارٹی اور ہوٹل کے گوشت'' سے متعلق ایک قیمتی مضمون لے کر مولانا جاوید احمد عنبر مصباحی جلوہ گر ہوئے ہیں۔ لبرل خیالات کے لوگوں کو حلال وحرام سے کیا واسطہ، مگر مسلمانوں کے عوامی طبقے کا خیال رکھتے ہوئے موقع بموقع اس طرح کی کوششیں ہوتی رہنی چاہئیں۔ اس طرح کے مزید عنوانات پر ہم ان کی کرم فرمائیوں کے امیدوار ہیں۔

اس مرتبہ مولانا طارق انور مصباحی نے تعلیمی مسائل کی دسویں قسط ''پلی درس'' {Palli Dars} کے عنوان سے رقم فرمائی ہے، جس میں ''پلی درس'' کے فوائد وثمرات اور معاشرے پر اس کے مثبت اثرات کی تفصیلات زینت شارہ ہیں۔ اس مضمون کو دستی پمفلٹ کی شکل میں شائع کر کے ذمہ داران مدارس تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ شاید سدھار کی کوئی سبیل نکل آئے۔ یہ پلی درس کیا ہے؟ وہی مسجدوں سے ملحق مدارس ہیں، جن کو شمالی ہند میں ''مکتب'' کرناٹک وگوا کی زبان میں ''انجمن'' اور کیرلا میں ''پلی درس'' کا نام دیا گیا ہے۔ چوں کہ کیرلا میں یہ تعلیم کچھ زیادہ ہی ٹھوس، منظم اور حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق ہے، اس لیے اس طرز کی پیروی پر مولانا نے کافی زور دیا ہے۔

یہ اس زمانے کا بہت بڑا المیہ ہے کہ ہم نے فرض کفایہ علوم کی اشاعت کے لیے تو جگہ جگہ اقامتی مدارس قائم کر رکھے ہیں، جب کہ اس کے حاصل کرنے والوں کی تعداد 4: فیصد بھی نہیں، اور اس فرض علوم کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے، جن کے مستحق معاشرے کے تقریباً 96: فیصد افراد تھے۔ اگر چہ اب بھی یہ تعلیم رائج ہے، مگر اس قدر بے ہنگم انداز میں کہ اس سے مثبت اثرات ونتائج کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اب تو نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ خطیر رقم لگا کر سجائے گئے جلسوں میں طہارت کے مسائل، فرائض نماز اور شرائط نماز جیسے بنیادی اور موٹے موٹے مسائل کا بیان ہو رہا ہے، جب کہ یہ کام مکتب میں ہونا تھا۔ عہد تعلیم میں ہی وہیں اس کی تربیت ومشق ہو جانی چاہیے تھی، مگر جب وہاں یہ سب نہ مل سکا تو اب بڑے بڑے مسلم مسائل اور فکری وارتقائی مباحث پر گفتگو کے لیے سجائے گئے پنڈال میں اس کی تعلیم دینی پڑ رہی ہے۔

اہل لغت نے ظلم کی تعریف کی ہے ''وضع الشئ فی محل غیرہ''۔ جلسوں کے اسٹیج پر مکتب کے نصاب تعلیم کا اجرا اس ظلم کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ آج بھی ہمیں مکتب کی تعلیم کو ایک مستقل نظام ونصاب کی روشنی میں مضبوط ومستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس جانب توجہ دی جائے۔

مولانا طارق انور مصباحی کا یہ تجزیاتی جملہ پسند آیا کہ: ''موجودہ ماحول یہ ہے کہ ضرورت پڑنے پر عوام مسلمین، ائمہ کرام وعلمائے دین کے ارد گرد طواف کرتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انھیں ضرورت کے مسائل معلوم نہیں، اور نہ ہی اتنی قوت ہے کہ ضروریات زندگی کے مسائل قانون شریعت یا بہار شریعت میں دیکھ سکیں۔ ہاں، یہ ضرور ہونا چاہیے کہ مشکل مسائل کے لیے علمائے کرام کی جانب رجوع کریں۔ ہر مسئلہ کے لیے علمائے کرام کی جانب رجوع کو اگر شریعت اسلامیہ پسند فرماتی تو تمام مسلمانوں پر ضروری مسائل کا علم حاصل کرنا فرض نہیں قرار دیا جاتا۔ اب جب کہ ضروری مسائل کا علم فرض قرار دیا گیا تو اس کا واضح مفہوم یہی ہے کہ روزمرہ اور ضروریات زندگی کے عام فہم مسائل کے لیے علمائے کرام کے پاس گھومنا مطلوب شرع نہیں''۔ (ص: ۴۰)

فروری ۲۰۱۸ء میں مطبوعہ تبصرہ میں کمپوزنگ کی چند خامیوں کی نشان دہی کی گئی تھی، مگر اب تک ان کی اصلاح نہ ہو سکی۔ ارباب انتظام کو اس جانب توجہ مبذول کرنی چاہئے، تا کہ حسن باطن کے ساتھ حسن ظاہر کی بھی جلوہ نمائی ہو، تاہم مجموعی طور پر حسن وعمدگی قابل تحسین ہے، خاص کر میگزین کے مشمولات نے ارباب علم ودانش کے افکار ونظریات میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ قومی صلاح وفلاح سے متعلق دلنشیں اور جامع مضامین کے سبب ماحول میں انقلابی کیفیت رونما ہو چکی ہے۔ ماہنامہ پیغام شریعت کی لوح فطرت سے بالکل ظاہر ہے کہ یہ رسالہ قومی مصائب ومشکلات کے لیے نسخہ کیمیا کی تلاش میں ہے۔ اہل نظر کے دلوں میں رسالہ نے اپنے اثرات کو پیوست کر دیا ہے: اللھم زد فزد (آمین)

تعلیمی مباحثہ

دینی وعصری علوم کی ہم آہنگی: وقت کی اہم ضرورت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج شریف!

مدارس اسلامیہ کے طلبہ کا دور حاضر میں عصری علوم کی طرف رجحان کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ ہر ادارہ کے ذمہ داران ومدرسین جانتے ہیں کہ عصری علوم کی جانب توجہ دینے والے طلبائے مدارس اسلامیہ دوگروہ میں بٹے ہوئے ہیں۔ایک قسم زیر تعلیم طلبہ کی ہے۔اس قسم کے بیشتر طلبہ مدرسہ کی تعلیم کے دوران ہی عصری تعلیم سے بھی منسلک ہوجاتے ہیں۔وہ ہائی اسکول، انٹر اور بی اے وغیرہ کی تیاری کر کے امتحان دیتے ہیں۔دوسری قسم فارغین کی ہے۔ان کی ایک بڑی تعداد فارغ ہونے کے بعد عصری اداروں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور افسوس یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں طلبہ ہی کا نقصان ہوتا ہے۔پہلی قسم کے اکثر طلبہ کا مقصد صرف بقدر ضرورت تیاری کر کے کسی طرح ہائی اسکول، انٹر اور بی اے وغیرہ کے امتحانات پاس کر لینا ہوتا ہے، جس کا اچھا نتیجہ عملی میدان میں کالعدم یا بہت ہی کم ہوتا ہے۔یہ صورت حال خود طلبہ اور ملت اسلامیہ دونوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اور اس عصری تعلیم کی تگ ودو میں ان طلبہ کی دینی تعلیم جو متاثر ہوتی ہے، وہ الگ ہے۔

دوسری قسم یعنی فارغین طلبہ کی عمر فراغت کے وقت عموماً چوبیس (۲۴) سے اٹھائیس (۲۸) کے درمیان ہوتی ہے۔اب یہ عصری علوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔بی اے، ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔کتنے طلبہ عمر درازی ودیگر اسباب کی بنیاد پر اپنے مقصد تک پہنچنے سے پہلے ہی تعلیم سے رشتہ توڑ لیتے ہیں۔جو فارغین تعلیم کی تکمیل کرتے ہیں، تکمیل تک ان کی عمر تینتیس (۳۳) سے سینتیس (۳۷) کے درمیان ہوجاتی ہے اور رزلٹ خراب ہوا تو سینتیس (۳۷) سے چالیس (۴۰) کے درمیان کی عمر ہوجاتی ہے۔اس طرح سے اس قسم کے طلبہ کی تقریباً دوتہائی زندگی تعلیم حاصل کرنے میں ہی گزرجاتی ہے۔

اب حصول تعلیم کے بعد وہ میدان عمل میں اترنے کی کوشش کرتے ہیں۔کوشش، عملی زندگی اور اس زندگی کے کچھ اچھے نتائج ملتے ملتے اپنی زندگی کے آخری کگار پر آجاتے ہیں۔وہ زندگی کے اس مرحلہ پر پہنچ چکے ہوتے ہیں کہ وہ تجربات کی روشنی میں بہت کچھ کرسکتے ہیں، مگر کرنے کی وہ قوت وحوصلہ اور وہ جذبہ نہیں رہ جاتا ہے، جو ان کے اندر عصری علوم کی طرف متوجہ ہونے کے وقت ہوتا ہے۔

یونیورسٹیز میں مدارس اسلامیہ کے فارغین کا داخلہ صرف چند مخصوص شعبہ جات جیسے عربی، اردو، تاریخ وغیرہ ہی میں ہوسکتا ہے۔باقی عصری شعبہ جات ان کے لیے بند ہوتے ہیں، اس لیے دور حاضر میں ایسے مدارس اسلامیہ کی سخت ضرورت ہے جن میں اکثر دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کا یوں انتظام کیا جائے کہ طلبہ عالمیت کے کورس کے ساتھ ساتھ انٹرمیڈیٹ کا بھی کورس مکمل کرلیں، اس کے بعد جو طلبہ مزید دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں، انہیں فقہ، حدیث وغیرہ کسی فن میں تخصص کرا کے فضیلت کی دستار دے دی جائے۔اس طرح سے فارغ ہونے کے بعد یہ کسی ایک فن میں ماہر ہوسکتے ہیں۔معتد بہ دینی وملی خدمات انجام دے سکتے ہیں اور ضروری عصری علوم سے بھی عاری نہ ہوں گے۔

جو فارغین طلبہ مزید عصری تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ عصری اداروں کی طرف رجوع کر کے باآسانی داخلہ لے سکتے ہیں اور ہائی لیول کی تعلیم کی تکمیل کر کے علم دین سے مزین ہونے کی وجہ سے اپنے اہل وعیال اور قوم وملت کو خاطر خواہ فائدہ پہنچانے کی سعی مسعود کرسکتے ہیں۔اس کے متعلق مندرجہ ذیل امور پر اپنے قیمتی وگراں قدر تأثر پیش کر کے مفید حل بھی پیش فرمائیں:

(۱) دینی وعصری علوم کی اس طرح کی ہم آہنگی مفید ہوگی یا مضر؟
اگر مفید ہوگی تو کس حد تک ہوگی؟ اور اگر مضر ہوگی تو اس کا علاج یا اس کا نعم البدل کیا ہے؟
(۲) عالمیت کا کورس کرنے کے بعد اگر علوم دینیہ میں کچھ کمی رہ جاتی ہے تو کیا اس کمی کو تخصص کے ذریعہ دور نہیں کیا جا سکتا؟
اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر کیا جا سکتا ہے تو اس کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے؟
(۳) کیا وقت کی اہم ضرورت نہیں کہ مسلم افراد عالمیت کا کورس کر کے علم دین سے کافی حد تک آشنا ہوں، پھر وقت پر عصری علوم حاصل کر کے ملک کے اعلیٰ واہم عہدوں پر فائز ہوں، یا بڑے بڑے بزنس مین ہوں، تاکہ خالص علمائے دین کے ساتھ مل کر اسلام و مسلمین کا صحیح معنوں میں دفاع کریں اور ساتھ ہی ساتھ انسانیت کی خدمت بھی کر سکیں؟
آپ حضرات سے گزارش ہے کہ جلد از جلد جوابات دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

ازہار احمد امجدی ازہری
فاضل جامعہ ازہر مصر (شعبہ حدیث، ایم اے)، استاذ و مفتی: مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج، بستی، یوپی (انڈیا)
Email:amjadiazhari@gmail.ocm

جواب اول (پاکستان)

مفتی حق النبی سکندری ازہری: استاذ دارالعلوم صبغۃ الہدیٰ، شاہ پور چاکر سندھ (پاکستان)

محترمی حضرت مفتی ازہار احمد امجدی حفظک اللہ تعالیٰ ورعاک وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ
مزاج عالی!
آپ کا استفسار موصول ہوا۔ جناب نے مجھے اس قابل سمجھا، یہ آپ کا حسن ظن ہے۔
مندرجہ ذیل سفارشات بالترتیب پیش خدمت ہیں۔
(۱) دینی وعصری علوم میں ہم آہنگی مفید ضرور ہے، پر اس اصطلاح کی تحدید کر لی جائے تو بہتر ہے۔ اگر اس سے مراد "آشنائی وشناسائی" ہے تو وہ مدارس پاک وہند میں پہلے سے ہی موجود ہے جو غالباً آپ کی مراد نہیں ہو سکتی۔
اب ایک ہی احتمال باقی رہ جاتا ہے کہ آپ کی مراد "دینی وعصری علوم کا امتزاج" ہے تو اس کے متعلق یہ باتیں پیش خدمت ہیں۔
دینی وعصری علوم بالکل الگ الگ میدان ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا مزاج واساس ومتعلقات الگ الگ ہیں- اگر مجازی طور پر انہیں "نقیضین" مان لیا جائے تو "**النقیضان لا یجتمعان مع بعضهما فی نفس المحل والزمان ولا یرتفعان کلاهما**" لہٰذا ان دونوں علوم کا من کل الوجوہ باہمی امتزاج مضر ہے۔ رہی بات اس کے علاج یا نعم البدل کی تو موجود ہے جس پر عمل پیرا ہو کر یہ خواہش پوری کی جا سکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ دینی علوم (جو غالباً آٹھ سالہ دورانیہ پر مشتمل ہیں) اور عصری علوم کا ایک "مشترکہ نصاب" مرتب کیا جائے، جس میں دونوں علوم کے دورانیے کا لحاظ رکھا جائے۔ اس پر عمل کرنے میں فقط ایک خرابی ہے، وہ دورانیہ تعلیم کا طویل ہو جانا کہہ سکتے ہیں۔
یعنی جو کام آٹھ سال میں مکمل ہونا تھا- اب وہ کم از کم چودہ سال پر محیط ہو جائے گا۔ اگر کوئی ادارہ، تنظیم، طالب علم اس نصاب تعلیم پر راضی ہو تو یہی ایک اچھا اور نہایت اعلیٰ حل ہے، مگر اس پر عمل کرنا عصر حاضر میں دشوار ہے۔ اس نصاب تعلیم کے دورانیہ میں کمی کی صورت میں

دونوں علوم کی مروجہ کتب میں کانٹ چھانٹ کرنی ہوگی، جس کا نقصان اسلامی علوم کو زیادہ ہوگا اور یوں مکمل و ماہر عالم دین پیدا نہ ہوسکیں گے، البتہ ایسی کھیپ ضرور تیار ہوجائے گی جو اسلامی تشخص کے ساتھ معاشرے میں اچھا کردار ادا کر سکے۔

ہمارے پاکستان میں یہ نظام تعلیم جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کے قائم کردہ ادارے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ میں موجود ہے، جس میں داخلہ کے لیے میٹرک پاس ہونا شرط ہے۔ میٹرک پاس طالب علم داخل ہوکر دس سالہ نصاب مکمل کرتا ہے اور اس کے پاس دینی و عصری علوم کی اچھی خاصی تعلیم کے ساتھ مستند و معتمد ڈگریاں بھی ہوتی ہیں۔ ان کے ہاں مروجہ دینی نصاب میں فقہ و اصول وغیرہ کی خاصی مفید کتب میری معلومات (جو سن دو ہزار ایک 2001 تک کی ہے) کے مطابق موجود نہیں ہیں، کیونکہ کتب میں اضافے سے طلبہ پر بوجھ بڑھ جانے کا واضح اندیشہ موجود ہے۔ فی الحال وہ ایک مناسب نصاب تعلیم ضرور ہے، مگر فقیر اس کی حمایت بعض ''منہجی وجوہات'' کی بنا پر کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ اگر اسی نظام تعلیم میں مزید کچھ اضافات کیے جائیں تو آپ کی اور ہماری خواہش پوری ہوسکتی ہے، پر اس وقت کوئی بھی یہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوگا، کیونکہ یہ ایک طویل نصاب تعلیم بن جائے گا۔

(۲) عالمیت کا کورس کرنے کے بعد اگر علوم دینیہ میں کمی رہ جائے تو یقیناً ''تخصص'' سے پوری کی جاسکتی ہے، جس کا طریقہ کار وہی ہے جو جامعۃ الازہر میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ میں بنیادی طور پر اس ''تخصصی نظام و نصاب تعلیم'' کا خواب لیے پاکستان میں کوشاں ہوں، کیونکہ میری ناقص سوچ کے مطابق برصغیر پاک و ہند کے دینی نصاب تعلیم میں پیدا شدہ ''جمود و خمول'' دور کرنے کا یہ ایک بہترین حل ہے، جس سے مزید بہتر صلاحیت والے علما کی کھیپ بھی تیار ہوگی اور ہمارا دینی نظام تعلیم بھی متاثر نہیں ہوگا۔ ''تخصصی دینی ادارے'' برصغیر پاک و ہند کی اشد ضرورت ہیں۔

ثانویہ تک طلبہ کو دینی علوم کی بنیادی تعلیم دے دی جائے، مثلاً علم نحو میں ہدایت النحو، فقہ میں نور الایضاح، اصول فقہ میں میں کوئی سہل الاسلوب معاصر کتاب اور مکمل علم صرف پڑھ چکا ہو، پھر آگے چار سالہ تخصص کا ایک نیا نظام شروع ہو، جس میں طالب علم کو اپنی پسند کا تخصص اختیار کرنے حق دیا جائے۔ اس بات کا تعلق خالص دینی علوم سے ہے، لہٰذا اس پر تفصیلی سفارشات کسی اور نشست میں پیش کروں گا۔

(۳) یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ معاشرے کے ہر طبقے میں دینی سوچ کے حامل افراد موجود ہوں اس کا حل یہ ہے کہ ''بنیادی و اساسی دینی تعلیم'' پر مشتمل ایک خاص نصاب مرتب کیا جائے، جو عصری علوم کے طلبہ کے لیے خاص ہو۔ ایسے ادارے بنائے جائیں جو ان کی اساسی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم مہیا کریں، تاکہ وہ نیک و صالح، انجینئر و ڈاکٹر، صحافی وغیرہ بن کر معاشرے میں وہ کردار ادا کریں جو آپ اور ہم علما سے ادا کروانا چاہتے ہیں۔ سابقہ تمام گفتگو کا خلاصہ پیش کر کے اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

ہم جس تعلیمی نصاب و نظام کو دیکھ رہے ہیں اس کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) خالص دینی (۲) خالص عصری (۳) دینی و عصری، جس میں غلبہ دینی علوم کا ہو (۴) عصری و دینی، جس میں غلبہ عصری علوم کا ہو۔

پہلی دونوں صورتیں تو واضح ہیں، تیسری صورت کے حامل بعض ادارے موجود ہیں، لیکن ان سے علوم دینیہ کے ماہر رجال کار پیدا نہیں ہوتے، البتہ انہیں دینی علوم کی اچھی سوجھ بوجھ ضرور ہوتی ہے۔

باقی رہی چوتھی صورت تو وہ معاہد (تعلیم گاہیں) بنا کر پوری کرنی چاہیے، جس کے معاشرے پر بہت اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔

سابقہ گزارشات سے آپ نے محسوس فرمالیا ہوگا کہ ایسا مخلوط نصاب تعلیم بنانا ممکن نہیں ہے جو عصری و دینی علوم کے ماہرین پیدا کر سکے، لہٰذا جو جانب زیادہ مطلوب ہو، یا جس کا غلبہ مقصود ہو، اس کا لحاظ رکھا جائے۔ اسی کے مطابق نصاب مرتب کیا جائے تو نتائج بھی اسی کے مطابق ظاہر ہوں گے: والسلام

جواب دوم (بستی: یوپی)

مفتی کمال احمد علیمی: استاذ جامعہ علیمیہ (جمد اشاہی: یوپی)

دینی مدارس اسلامی تعلیمات اور مذہبی اقدار وروایات کی نشر واشاعت کا سرچشمہ ہیں۔ دیگر تعلیمی اداروں کی طرح ان مدارس کا بھی ایک نظام تعلیم وتربیت ہے، جس کی بنیاد توحید ورسالت، تصور آخرت اور پاکیزہ معاشرت پر ہوتی ہے۔ اس نظام ونصاب تعلیم کا مقصد اصلی ایک عام انسان کو اللہ رب العزت کا صالح بندہ بنانا ہے۔ اس مختصر سی تمہید سے یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ دینی مدارس کے قیام کا مقصد اصلی عالم دین بنانا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر یا انجینئر بنانا مقصود نہیں۔ جس طرح ایک دنیوی یونیورسٹی کے قیام کا مقصد اساسی دنیوی علوم کی ترویج واشاعت ہے، عالم دین یا مفتی ومحدث بنانا نہیں۔

مگر اس حقیقت سے بھی انکار کی گنجائش نہیں کہ جو دین کے ساتھ دنیوی معاملات کی خبر نہ رکھے، وہ جاہل ہے، اسی لیے آج ہی نہیں، بلکہ دینی مدارس کے باضابطہ قیام ورواج سے ہی ان مدارس کے نصاب تعلیم میں عصری تقاضوں کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے۔ عہد عالمگیری کے معروف عالم ومحقق ملا نظام الدین فرنگی محلی نے بارہویں صدی ہجری میں ''درس نظامی'' کے نام سے جو جامع ومانع نصاب تعلیم تیار کیا تھا، اس کا بغور مطالعہ کریں تو سمجھ میں آتا ہے کہ عالم موصوف نے اپنے زمانے کے تقاضوں کی بھرپور رعایت کی تھی۔ چنانچہ معقولات کی متعدد کتابوں کی شمولیت اور فارسی زبان کی تعلیم پر خصوصی توجہ یہ عصری تقاضوں کے لحاظ ہی سے تھا۔

عصر حاضر نظریہ سے زیادہ عمل وتجربہ پر زور دیتا ہے۔ قدامت سے جدت کی طرف دعوت دیتا ہے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ منطق وفلسفہ اور قدیم سائنس کی بجائے جدید سائنس اور عصری علوم کی طرف بھی توجہ دی جائے۔ تھیوری سے آگے بڑھ کر پریکٹیکل پر زور دیا جائے۔ نصاب تعلیم میں عصری علوم وفنون کو خاطر خواہ جگہ دی جائے، مگر اس امر کا ہمیشہ لحاظ رہے کہ دینی مدارس کے نظام ونصاب تعلیم کی روح نہ مجروح ہونے پائے۔ اس کا سب سے خوبصورت اور بابرکت طریقہ یہ ہوگا کہ ہم دنیوی علوم وفنون کو بھی دینی تعلیم کا حصہ سمجھیں اور خدمت دین ہی کی نیت سے ان کو داخل نصاب کریں، مثلاً ہم سائنس کو اس نیت سے پڑھیں، پڑھائیں کہ اس سے ہمیں اللہ کے وجود پر یقین کامل کی دولت میسر آتی ہے، اور سائنس کے ملحدانہ عقائد ونظریات کی تردید کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

مذکورہ تفصیل کے بعد اب آپ کے سوالات کے جوابات حاضر خدمت ہیں۔

(ا) سوال نامے میں مذکورہ بات سے مجھے اتفاق ہے، مگر میری ناقص رائے یہ ہے کہ اعدادیہ سے لے کر سادسہ تک کی جماعتوں میں سابعہ اور ثامنہ کی کتابیں بھی سمیٹ دی جائیں۔ کل نو سالہ کورس سات سالوں میں کر دیا جائے۔ اس طرح سے کہ ایک فن کی متعدد کتابیں پڑھانے کی بجائے دو چند معیاری کتابیں بالاستیعاب پڑھا دی جائیں۔ کتاب کی بجائے فن کی تدریس پر زور دیا جائے۔ اس سات سالہ مدت تعلیم کے اندر بچوں سے پرائیویٹ ہائی اسکول اور انٹر میڈیٹ کے امتحان دلوائے جائیں۔ اس طرح سے کہ ان کی اصل دینی تعلیم متاثر نہ ہونے پائے، مگر یہ اسی وقت ہوگا جب نصاب تعلیم میں انگریزی، حساب، سائنس جیسے عصری علوم کو معقول جگہ دی جائے گی، پھر دو سالہ تخصص کا کورس رکھا جائے۔ یہ تخصص کا کورس کسی بھی فن میں ہو یا بچوں کی دلچسپی کے مطابق ہو۔ عصری دانش گاہوں کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے، جہاں پر جاکر وہ جو تعلیم حاصل کرنا چاہیں، کرسکیں۔ آج بہت سے دینی اداروں کے بچے یونیورسٹیوں کا رخ کر رہے ہیں اور اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے دینی ودنیوی مناصب حاصل کر رہے ہیں۔ یہ نہایت خوش آئند بات ہے۔ حاصل کلام یہ کہ دو سالہ دورۂ حدیث کے کورس کو ختم کرنے کی بجائے اسے سمیٹ کر پڑھایا جائے، اور ہائی اسکول وغیرہ کے الگ سے کلاسیز یا کورس کی بجائے پرائیوٹ طور پر امتحانات دلوائے جائیں۔

(۲) فضلیت کے کورس کو عالمیت میں ضم کرنے کے بعد بھی اگر علوم دینیہ میں کچھ کمی محسوس ہو تو تخصص کے ذریعہ اس کو دور کیا جائے۔ تخصص کسی خاص فن میں ہونا چاہیے، مثلاً فقہ، ادب، یا پھر کسی اور فن میں، اس فن کے ماہرین کی خدمات حاصل کی جائیں۔ صرف نام کا تخصص نہ ہو۔ بالکل واقعی کام کا تخصص ہونا چاہیے۔ آج بہت سارے دینی مدارس میں عموماً فقہ میں تخصص کا نظم ہے، جس کے ذریعہ ہمیں مفتیان کرام تو بہت مل جاتے ہیں، مگر کوئی قابل ذکر محدث، مفسر یا متکلم نہیں مل پا رہا ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہر ایک معیاری مدرسہ الگ الگ فن میں تخصص کرائے۔ اس طرح سے کسی ایک مدرسہ پر زیادہ بوجھ نہیں پڑے گا اور مقصد بھی حاصل ہو جائے گا۔ طلبہ کو مکمل چھوٹ دی جائے کہ جس فن میں بھی وہ کمی کا احساس کریں، جہاں چاہیں داخلہ لے کر اس کی تکمیل کر لیں۔

(۳) لاریب یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ مسلم افراد دین کے ساتھ دنیا کو بھی پڑھیں۔ اس کے بغیر وہ خود کو ترقی کے بہتے دھارے سے جوڑ ہی نہیں سکتے، اور نہ ہی وہ ملک کے وقار عہدوں کی زینت بن سکتے ہیں، بلکہ بعض مواقع پر تو دنیوی علوم کی تحصیل فرض کفایہ ہے۔ چنانچہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس تعلق سے بڑی نفیس بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض دنیوی علوم مثلاً طبابت، ریاضی، کاشتکاری پارچہ بافی، حجامت اور خیاطی وغیرہ کی تحصیل فرض کفایہ ہے کہ اگر شہر میں کوئی ان علوم کو نہ حاصل کرے تو عوام الناس مشقت میں پڑ جائیں گے اور بعض علوم کی تحصیل افضل ہے، مثلاً علم حساب وطب میں باریکیاں پیدا کرنا کہ ان کے جاننے سے فائدے میں اضافہ ہوگا اور بعض علوم کی تحصیل مباح ہے، مثلاً شعر گوئی کی تعلیم یا تاریخ کا علم، بعض علوم کی تحصیل ناپسندیدہ ہے مثلاً جادو وغیرہ کا علم۔ (اسلامی نظام تعلیم ص ۲۷)

ہمارے اسلاف کی سیرت سے بھی ثابت ہے کہ ہم میں سے اہل افراد کو دنیوی علوم کی تحصیل کرنی چاہیے، چنانچہ عہد قدیم میں ہمیں مدارس طبیہ (میڈیکل کالجز) کا سراغ ملتا ہے۔ بغداد، قرطبہ اور دیگر اسلامی شہروں میں جنگی تعلیم کے لیے عسکری مدارس کے وجود کا پتہ ملتا ہے۔ ۱۳۳۳ء میں غرناطہ میں ایک عظیم الشان یونیورسٹی قائم تھی، جس میں مسلمان علما، فضلا اور محدثین ومفسرین طب، کیمیا، فلسفہ اور نجوم وغیرہ پڑھتے تھے۔ یہ سب حقائق ہمیں اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ آج ایک بار پھر سے ہمیں تعلیم کے معاملے میں اپنے اسلاف کی تقلید کرتے ہوئے عصری علوم کی طرف توجہ دینی ہوگی، تبھی ہم اس ترقی یافتہ زمانہ میں جی سکتے ہیں اور تبھی ہم خود کو ترقی یافتہ اقوام کی صف میں کھڑا کر سکتے ہیں۔

ساتھ ہی ہمیں اس امر کا بھی لحاظ ضروری ہے کہ اگر ہماری قوم میں اچھے ڈاکٹر یا انجینئر کی ضرورت ہے تو اچھے امام ومؤذن اور قابل مدرس کی بھی ضرورت ہے، اس لیے مناسب یہ ہوگا کہ جس فرد کو جس شعبہ سے زیادہ دلچسپی ہو، وہ اسی میں محنت کرے۔ اگر کسی کو ڈاکٹری سے دلچسپی ہے تو وہ عالمیت کا کورس کر کے یونیورسٹی وغیرہ کا رخ کرے، وہ تخصص کے چکر میں نہ پڑے، اور اگر کسی کو علوم دینیہ سے شغف ہے تو وہ دو سالہ تخصص کا کورس کر کے جید عالم دین بنے۔ ہمارے اسلاف میں سبھی ڈاکٹر، انجینئر ہی نہیں بنتے تھے۔ کچھ لوگ مسجد ومدرسے کی خدمت بھی کرتے تھے، اس لیے سب پر عصری علوم کی تحصیل کو لازم قرار دینا بھی غلط ہے۔ یوں ہی سب کو عصری علوم سے دور رہنے کی صلاح دینا بھی غلط ہے۔

جواب سوم (بستی: یوپی)

مفتی ازہار احمد امجدی ازہری: فاضل جامعہ ازہر مصر (شعبہ حدیث، ایم اے)

دینی وعصری علوم کی ہم آہنگی، فوائد

(۱) انٹر تک دینی وعصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان کے پاس ہر دو کی صرف مارک شیٹ ہی نہیں، بلکہ مارک شیٹ کے ساتھ ہر دو میدان کی کافی حد تک تعلیمی لیاقت بھی ہوگی۔

(۲) عالمیت کا کورس کرنے کے بعد دینی وعصری تعلیم کا ہر دروازہ کھلا رہے گا۔ وہ مفتی، محدث اور ادیب وغیرہ بن سکتا ہے، اور اگر چاہے تو ڈاکٹر، پروفیسر، انسپکٹر، ڈی ایم، بزنس مین، آئی اے ایس، پی سی ایس، جج اور لایر وغیرہ بھی ہوسکتا ہے۔

(۳) اس طریقہ کار پر تعلیم حاصل کرنے والا مسلم بچہ اگر صرف انٹر تک ہی پڑھائی کرتا ہے، یا مزید دینی تعلیم حاصل کرتا ہے تو وہ محض عالم دین ہی نہیں ہوگا، بلکہ بقدر ضرورت عصری علوم: انگلش، میتھ، سائنس اور ہندی وغیرہ علوم سے بھی آراستہ ہوگا، جن کے ذریعہ وہ آسانی کے ساتھ اپنی دنیوی زندگی کافی حد تک خود ہی ہینڈل کر سکے گا۔

(۴) اس طرح سے تعلیم حاصل کر کے ایک مسلم بچہ جب کسی اعلیٰ دنیوی پوسٹ پر پہنچے گا تو یاد رہے کہ وہ خالص دنیا دار نہیں ہوگا اور نہ ہی قرآن، حدیث، عربی، اردو اور دینی مسائل سے بالکل اپاہج ہوگا، بلکہ ان شاءاللہ ان ساری چیزوں کا علم رکھنے کی وجہ سے مخلص عالم دین بھی رہے گا۔

(۵) اس طرح کے مسلم افراد جب دنیوی اعلیٰ پوسٹ پر کثرت سے ہوں گے تو حکومت پر دباؤ ہوگا اور کوئی بات منوانے میں آسانی ہوگی، نیز اگر اسلام یا اس کے ماننے والوں یا اس کے کسی قانون پر اعتراض ہوتا ہے تو یہ لوگ فکری وقانونی جواب وقت کی مناسبت سے بہتر طریقہ سے دے سکیں گے۔ یہ کام خالص علما یا خالص دنیوی تعلیم والوں سے ہونا بہت مشکل امر ہے۔

(۶) ان شاء اللہ تعالیٰ یہ افراد دنیوی اہم پوسٹ حاصل کرنے کے بعد بھی خالص علما کے ساتھ شانہ بشانہ رہ کر اسلام وسنیت کی نشر واشاعت کے لیے اپنے اپنے میدان میں پیش پیش رہیں گے۔

(۷) اس طرح کے افراد زیادہ ہوں گے تو غیروں میں بھی مسلمانوں کی شخصیت مسلم ہوگی اور مسلم قوم کا معیار دنیاوی اعتبار سے بھی بلند وبالا ہوگا۔

(۸) ایک مسلم ان شاءاللہ دین ودنیا کے ساتھ کم عمری ہی میں اعلیٰ پوسٹ حاصل کر لے گا اور اسے قوم وملت کی خدمت کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے گا۔

دینی وعصری علوم کی ہم آہنگی نقصانات

(۱) اس طرز کی پڑھائی پر دینی وعصری علوم دونوں متاثر ہوسکتے ہیں اور ان دونوں میں کمی آسکتی ہے۔ اس طرح مقصد فوت ہوسکتا ہے؟

حل: یقیناً خالص دینی یا عصری علوم حاصل کرنے کے بالمقابل اس صورت میں دینی وعصری دونوں تعلیم متأثر ہوسکتی ہے اور نقصان ہوسکتا ہے، مگر اساتذہ مخلص وجفاکش اور طلبہ مخلص ہونے کے ساتھ محنتی بھی ہوں تو یہ نقصان بھی نہیں ہوگا اور اگر نقصان ہوا بھی تو یہ نقصان بہت کم ہوگا، جسے دینی تعلیم والے تخصص کر کے اور عصری علوم والے مزید عصری اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے با آسانی دور کر سکتے ہیں۔

(۲) دینی وعصری دونوں علوم پڑھانے کی وجہ سے گھنٹیاں بہت زیادہ ہوں گی، بچے پورے دن پڑھنے کی وجہ سے تھکے ہوں گے اور وہ اپنا ہوم ورک صحیح سے نہیں کر پائیں گے؟

حل: خالص اسلامی مدارس میں بچے سات گھنٹیاں کرتے ہیں۔ ان دونوں علوم کے لیے ان سات گھنٹیوں پر صرف ایک گھنٹی کا اضافہ کر کے آٹھ گھنٹی کر دی جائے، پانچ گھنٹی دینیات کی اور تین گھنٹی عصری علوم کی ہوں۔ جو کتابیں زیادہ اہم ہوں، ان کی گھنٹیاں مسلسل رہیں اور جو زیادہ اہم نہ ہوں، ان کی گھنٹیاں ہفتہ میں تین دن یا دو ہی دن رہیں۔ اس طرح طلبہ پر بار بھی نہ ہوگا، بہت زیادہ تھکن کا بھی احساس نہیں ہوگا اور وہ محنت ولگن کے ساتھ اپنا ہوم ورک بھی کر لیں گے۔

(۳) اس طرز پر پڑھانے کی وجہ سے انہیں ہر سال چار چار امتحان دینا ہوگا اور یہ طلبہ کے لیے کافی مشکل وپریشانی کا سبب بن سکتا ہے؟

حل: پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں گے تو نائنتھ تک ہر سال صرف دو مرتبہ ہی امتحان دینا پڑے گا، وہ اس طرح سے کہ دینی وعصری

علوم کا ششماہی وسالانہ امتحان ایک ساتھ ہوا کرے گا۔البتہ ہائی اسکول اور انٹر کے امتحان کی جب باری آئے گی تو اس وقت ہر سال چار امتحان دینا پڑے گا،مگر مدارس میں پڑھنے وپڑھانے والے اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ بہت سارے مدارس میں طلبہ چار چار امتحان: سہ ماہی،ششماہی،نو ماہی اور سالانہ امتحان دیتے ہیں اور ان کی جفاکش ذات پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔اگر تگ ودو کی جائے تو ان شاء اللہ اس طرز پر بھی چار چار امتحان ہونے کے باوجود ان کی ذات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(۴)اس طرح مدارس میں ہائی اسکول اور انٹر کے امتحان کے ذریعہ مارک شیٹ حاصل کرنے سے کیا فائدہ ہوگا ؟ یہ تو عالم وفاضل کر کے مارک شیٹ حاصل کرنے کی طرح ہوگا،جس کی گورنمنٹ کی نظر میں کوئی خاص اہمیت نہیں ہوگی ؟

حــل: ہائی اسکول اور انٹر کا امتحان مدرسہ میں دلا کر اس کی مارک شیٹ نہ دی جائے ، بلکہ کسی خالص عصری کالج سے معادلہ کرا کر ، وہاں امتحان دلایا جائے۔اس طرح سے ان طلبہ کی طرف سے ہائی اسکول اور انٹر کی حاصل کی گئی مارک شیٹ کی اہمیت وافادیت وہی رہے گی جو ایک خالص عصری کالج کے طلبہ کی مارک شیٹ کی ہوتی ہے۔

(۵)جولڑکے عالمیت اور انٹرمیڈیٹ کر کے خالص عصری یونیورسٹیز کا رخ کریں گے،عموما ان یونیورسٹیز کا ماحول خراب ہونے کی وجہ سے طلبہ کی بے راہ روی کا بہت زیادہ خطرہ ہے۔یہ چیز بھی اس طرح کے مدرسہ کے مقاصد پر پانی پھیر دے گی۔

حــــل: یہ بات بجا ہے،مگر آج خالص مدارس میں پڑھنے والے طلبہ بھی کثیر تعداد میں خالص عصری یونیورسٹیز کی طرف رخ کر رہے ہیں۔ان کی توجہ کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ اب ہم انہیں چاہ کر بھی نہیں روک سکتے؛اس لیے اب اس کا رونا بے کار ہے۔آہ وفغاں کرنے کی بجائے ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے طلبہ کو بگڑنے کے اسباب کم ملیں اور وہ اعلیٰ دنیوی تعلیم بھی حاصل کر لیں تو علمائے اسلام، پیران کرام اور قوم مسلم کو ان خالص عصری یونیورسٹیز کا بدل پیش کرنا ہوگا اور پیر طریقت خانقاہ برکاتیہ کے پھول امین ملت دام ظلہ وکرمہ کے نقش قدم پر چل کر ان کے قائم کردہ ''البرکات انسٹی ٹیوٹ''(علی گڑھ) کی طرح ہر ضلع یا کم از کم ہر اسٹیٹ میں تعلیم گاہوں کا انتظام کرنا ہوگا، بلکہ اگر ممکن ہو تو اس سے بڑھ کر بھی انتظام وانصرام کیا جائے۔

(۶)اس صورت میں بہت ممکن ہے کہ سارے طلبہ ہائی لیول کے عصری علوم حاصل کرنے کے لیے خالص عصری یونیورسٹیز ہی کا رخ کر لیں تو علمائے دین کی تعداد پر اثر پڑے گا اور یہ بھی اس طرح کے مدارس کے مقاصد پر ایک طرح سے قدغن ہوگا،جو امت مسلمہ کے لیے مضر ہوگا ؟

حــل: اولاً: اگر عمدہ تربیت کی جائے ، دینی وعصری ہر دو علوم کے فوائد وضروریات بتائی جائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہوگا اور جس طرح طلبہ یونیورسٹیز کا رخ کریں گے،اسی طرح ان شاء اللہ تعالیٰ فقہ وحدیث وغیرہ میں تخصص کرنے کی طرف بھی متوجہ ہوں گے۔

ثانیاً:اگر ایسا بر سبیل تنزل ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ، کیوں کہ دوسرے مدارس اسلامیہ خالص علمائے دین تیار کر رہے ہیں،جن سے ان شاء اللہ تعداد کی کمی کا مداوا ہو جائے گا۔

ایک شبــہ : اس طرز تعلیم کو دیکھ کر بہت سارے مخلصین ومحبین کے ذہن میں یہ بات آ سکتی ہے اور تأمل ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے مدرسہ میں زکات وصدقات واجبہ دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ کیوں کہ اس میں دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم بھی دی جائے گی۔

شبــہ کا ازالــہ : محبین ومخلصین کا تأمل سر آنکھوں پر ہے،مگر میں بتانا چاہوں گا کہ اس طرح کے مدرسہ میں زکاۃ وصدقات واجبہ دینا اس وقت ناجائز ہے جب اس میں اکثر تعلیم عصری تعلیم ہو،مگر یہاں اس مدرسہ میں ایسا نہیں ، کیوں کہ اس میں اکثر تعلیم دینی تعلیم اور یہی اصل کی حیثیت رکھتی ہے اور عصری تعلیم دینی تعلیم سے کم ہے اور وہ فرع کی حیثیت رکھتی ہے،لہٰذا اس طرح کے مدرسہ میں زکات وصدقات واجبہ لگانا جائز ودرست ہے۔

تنبیہات: (۱) گھر کے ذمہ داران پر لازم ہے کہ بچوں کے کلاس اور ہوم ورک کے اوقات حتی الامکان انہیں گھریلو اور دیگر کاموں سے فارغ رکھیں، تا کہ بچے اپنی پڑھائی عمدہ طریقہ سے کر کے اپنے اور والدین کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کر سکیں۔ اللہ پر اعتماد پھر قربانی، صبر اور جہد مسلسل ہی ایک مسلم کی کامیابی کا اہم راز ہے، جس کا آج قوم مسلم میں عموماً فقدان نظر آتا ہے، کامیاب ہونا ہے تو قربانی دینی پڑے گی۔

(۲) اس طریقہ کار کو اختیار کر کے صرف لڑکے ہی نہیں، بلکہ لڑکیاں بھی تعلیم حاصل کر سکتی ہیں اور اپنے آپ کو دینی وعصری علوم سے مزین کر کے اپنے بچوں اور اپنی قوم کے افراد کے کردار کو سنوار سکتی ہیں۔ لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان تعلیمی میدان میں تفریق کی چنداں ضرورت نہیں۔

(۳) اس طرح کے اقدام کے بعد قوم مسلم کو چاہیے کہ وہ نتیجہ اخذ کرنے میں جلد بازی نہ کرے، ورنہ بے قراری کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا اور قوم مسلم آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے چلی جائے گی، کیوں کہ جب خامیاں زیادہ ہوں تو ان کی معتد بہ اصلاح چند دنوں، چند مہینوں، چند سالوں میں نہیں، بلکہ ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے۔ بہت سے فوائد ابتدائی مرحلہ میں نظر آنے لگتے ہیں، لیکن مکمل کامیابی کے لیے کافی وقت درکار ہے، اس لیے جلد بازی مناسب نہیں، نیز قوم مسلم کو کبھی یہ سوچ کر کام نہیں کرنا چاہیے کہ ہماری زندگی ہی میں سب کچھ پورا ہو جائے، بلکہ یہ سوچ کر کرنا چاہیے کہ یہ کام قابل رشک ثمر بار ہو، چاہے کوشش کرنے والے کی زندگی میں یا اس کی زندگی کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

نوٹ: اگر مخلصین ومحبین ساتھ دیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی سخاوت اور بخشش وعطا کے ذریعہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے ہائی ایجوکیشن کا الگ الگ انتظام کیا جا سکتا ہے، اور دینی ماحول سے آراستہ ایک عصری یونیورسٹی کا قیام عمل میں آ سکتا ہے، تا کہ قوم مسلم کے بچے انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد وقت کی مناسبت سے اس میں مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنے اور قوم مسلم کے مستقبل کو تابناک بنا سکیں: وبجدونہ ان شاء اللہ تعالیٰ فی اقرب وقت ممکن۔ فان مع العسر یسرا۔ ولیس اتمام ذلک علی اللہ بعسیر۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

تعلیمی مسائل: سوالات وجوابات

تعلیمی مسائل کی بارہ قسطیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اب دینی وعصری تعلیم کے امتزاج واشتراک سے متعلق سوالاتی کالم شروع ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ ارباب علم وفضل اور اصحاب فکر وعمل اس جانب متوجہ رہیں اور عملی اقدام کی تحریک قوی ومستحکم ہوتی جائے، تا آنکہ رب تعالیٰ ہمیں کسی نتیجہ خیز منزل پر فائز فرمادے (آمین)۔ یہ مضامین تنشیط اذہان کے لیے شائع نہیں کیے گئے، بلکہ عملی اقدام کی راہوں کو تلاش کرنا مقصود تھا۔ تحفظ ناموس رسالت کے قسط وار مضامین کے سبب یہ سلسلہ فی الوقت موقوف کر دیا گیا۔ فاضل نائب مدیر مولانا ازہری زید فضلہ کے ذریعہ تعلیمی مباحثہ کے جو مضامین موصول ہوئے ہیں، ان سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ اب احباب اہل سنت وجماعت میں فکری بیداری آ رہی ہے، اور وہ کسی اقدام کو خوش آئند اور فائدہ بخش عمل کی صورت میں دیکھیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ سوالاتی کالم میں نوع بہ نوع افکار وخیالات اور عملی تدابیر کا مشاہدہ ہوگا۔ جب فکری قوتیں مستحکم ہو جاتی ہیں تو عملی اقدام کی راہوں کی تلاش میں خادمان دین نکل پڑتے ہیں۔

آج بھی بعض قلوب واذہان دینی وعصری علوم کے امتزاج واشتراک سے متعلق بحر تردد میں غوطہ زن ہوں گے۔ اس کا سبب اصلی عدم مشاہدہ ہے۔ اس کا واحد علاج یہی ہے کہ وہ ''سیروا فی الارض'' کو اختیار کریں اور جن تعلیم گاہوں میں مشترکہ نصاب ونظام رائج ہے، وہاں جا کر جائزہ لیں۔ ریاست کیرلا میں مشترکہ تعلیم کے متعدد نصاب ونظام رائج ہیں۔ اسی طرح حنفی دنیا میں بھی متعدد ادارے اس قسم کے ہیں۔ گرچہ وہ قلیل التعداد ہیں، لیکن وہ تعلیمی مستقبل کے رہنما خطوط کا تعین کر رہے ہیں۔ آج سے چند سالوں قبل تک دینی وعصری تعلیمات کے امتزاج واشتراک کا تصور ایک مبہم وغیر متعین خاکہ کی شکل میں تھا۔ اب ان بارہ قسطوں میں اس تصوراتی خاکہ کی نقاشی کر دی گئی ہے۔ گیارہویں اور بارہویں قسط میں دینی وعصری تعلیم کے امتزاج واشتراک سے متعلق ایک صدی قبل کی تحریریں نقل کی گئی ہیں: طارق انور مصباحی (کیرلا)

تحفظ ناموس رسالت **قسط اول**

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

طارق انور مصباحی (کیرلا)

اے مسلمانو! ایمان کے لیے اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی محبت ضروری ہے، اور ایمان کے کچھ تقاضے ہیں۔ محض کلمہ پڑھ لینا ایمان کے لیے کافی نہیں۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:{اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً}(سورہ بقرہ:: یت ۲۰۸) اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو۔ (کنزالایمان) اس آیت مقدسہ سے ظاہر ہو گیا کہ اسلام کے تمام احکام کو ماننا ہے، بلکہ ایمان کی تعریف یہی ہے کہ جو کچھ حضور اقدس سرور دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے، ان تمام کی تصدیق کی جائے۔

مذہب اسلام کے اعتقادی احکام دو بڑے حصوں میں منقسم ہیں (۱) ضروریات دین (۲) ضروریات اہل سنت۔ اگر کوئی ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار کرتا ہے تو وہ مومن نہیں: مثلاً نماز، روزہ، حج وزکات وغیرہ میں سے کسی امر کا انکار کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہے، بلکہ کافر ہے۔ اگر کوئی ضروریات اہل سنت میں سے کسی امر کا انکار کرتا ہے تو وہ اہل سنت وجماعت میں سے نہیں ہے، بلکہ گمراہ ہے۔

حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر ضروریات دین میں سے ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:{وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ}(سورہ فتح: آیت ۹) اسی طرح تمام انبیا ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم وتکریم ضروریات دین میں سے ہے۔ کسی بھی نبی ورسول کی بے ادبی کفر ہے۔ اہل سنت وجماعت کے خمیر میں رب تعالیٰ نے عشق مصطفوی ودیعت فرمادی ہے۔ اللہ! اللہ! سنیت کا دعویٰ! پھر میرے اور میرے خدا کے حبیب، بے مثل وبے نظیر انسان کامل کہ نہ ان کا ہمسر کوئی ہوا، نہ ہونا ممکن ہی ہے۔ جو مظہر جلوۂ کبریائی کہ حضرات انبیا ومرسلین علیٰ رسولنا وعلیہم الصلوات والتسلیم ان کی تعظیم وتوقیر بجالائیں۔ عالم ارواح میں رب تعالیٰ ان عظیم ہستیوں سے آں پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے وعدہ لے۔ ان کے بے ادبوں کی ناحق تائید وطرفداری خود فریبی کی واضح دلیل۔ اولاً شریعت میں مبتدیوں کو اذن تحقیق کہاں؟ پھر طرز تحقیق دیکھو کہ حرمت مصطفوی سے ایسی بے اعتنائی کہ روح کانپ جاتی ہے۔ اے نادانو! یہ تحقیق ہے یا طرفداری؟

چچا ہو کر ابولہب نے دین اسلام کے اعلان اول کے وقت ''تبا لک سائر الیوم'' کہا تو رب تعالیٰ نے مذمت میں ایک مکمل سورت نازل فرمادی۔ ''تبت یدا ابی لہب''۔ اب وحی الٰہی کا سلسلہ آں حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہوا کہ خاتم النبیین بن کر جلوہ گر ہوئے۔ اب دین خداوندی مکمل ہو چکا۔ ''الیوم اکملت لکم'' کا فرمان صدیوں قبل عالم انسانیت کو سنادیا گیا۔ احکام شرع کی معرفت بندوں کو عطا کردی گئی۔ اب جرم کی قباحت وشناعت اعلان اول کے وقت سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ فرقہ بجنوریہ گرچہ بے ادبی نہیں کرتا، لیکن بے ادبوں کی ناحق تائید وطرفداری کا حکم بھی انتہائی قبیح وشنیع ہے۔ بتایا جائے کہ تمہیں تحقیق کی ضرورت کیوں درپیش ہوئی؟ جب کہ تم تحقیق کے اہل بھی نہیں۔

گرچہ ایسے نادان دعویٔ سنیت کریں، پر ایسوں کا مآل وانجام علام الغیوب ہی کو معلوم۔ کیا تم نے کبھی سنا کہ ایسوں کو رب تعالیٰ نے توبہ کی توفیق عطا فرمائی ہو۔ بلعم باعور کو دیکھو! ایک اولوالعزم پیغمبر ورسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برخلاف دربار الٰہی میں دعا کے واسطے ہاتھ اٹھا

یا تھا، ولایت سلب کر لی گئی، اور وہ اسفل السافلین میں جا گرا۔ منصب ولایت پر فائز تھا، پھر بھی دنیاوی دولت وعزت، اور فانی جاہ وحشمت کا طلب گار رہا۔ اس واقعہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ بہت سے لوگ، یہاں تک کہ بعض صالح فطرت افراد بھی پیغمبران الٰہی کے بالمقابل اپنی قوم کی طرفداری کرتے ہیں۔ ان کا مقصود حصول دنیا ہوتا ہے۔ انجام کار وہ اپنی ولایت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ آج بھی یہ صورت ممکن ہے۔

مسلمانو! فرقہ بجنوریہ کو پہچانو!

عہد حاضر میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اہل تصوف ہیں، ہم کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ کیا وہ بت پوجنے والے کو بھی مومن سمجھتے ہیں؟ یہ مذہب گرو نانک (۱۴۶۹ء-۱۵۳۹ء)، سائی بابا، اور اسی قسم کے چند اہل ہند کا تھا، جسے بھگتی کا مذہب کہا جاتا تھا۔ بادشاہ اکبر کا ایجاد کردہ ''دین اکبری'' اس کی ایک بڑی مثال ہے۔ اس مذہب کی بنیاد وحدت ادیان کے تصور پر قائم ہے۔ ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام سابق صدر جمہوریہ (ہند) (۱۹۳۱ء-۲۰۱۵ء) کی قائم کردہ تنظیم فیورک (Furec) کی بنیاد بھی وحدت ادیان کے تصور پر قائم ہے۔

محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلما (لکھنو) نے مسلمانوں کے درمیان وحدت مسالک کا تصور قائم کیا تھا۔ ناقابل تاویل کفریات کے صدور کے باوجود کسی کلمہ خواں کو کافر ومرتد قرار نہ دینا مونگیری تصورات کا شاخسانہ ہے۔ خلیل بجنوری کا اشخاص اربعہ کی تکفیر سے انکار، عمان اعلامیہ اور عہد حاضر میں خود ساختہ مفکرین کے نظریہ عدم تکفیر کی بنیاد مونگیری تصورات پر قائم ہے۔ اسے ندوی تصورات بھی کہا جا سکتا ہے۔

عہد حاضر میں اشخاص اربعہ کی تکفیر پر قیل وقال کرنے والوں کا ایک پوشیدہ گروپ ہے۔ یہ دراصل بد مذہبوں کے ساتھ راہ ورسم رکھنے والوں کا ایک منظم گروہ ہے۔ یہ بلا حاجت شرعیہ بد مذہبوں کے ساتھ سلام وکلام، نشست وبرخاست، خورد ونوش وغیرہ برائیوں میں مبتلا ہے۔ یہ اہل سنت وجماعت کی بہ نسبت بد مذہبوں سے زیادہ قریب اور ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ ہے۔ یہ طبقہ حق کو حق یقین کر کے بھی قیل وقال کرتا ہے، تاکہ کسی طرح دیابنہ، وہابیہ وغیرہ باطل فرقوں سے میل جول کا راستہ ہموار ہو سکے۔ خلیل بجنوری (م ۱۹۹۰ء) اس فرقہ کا میر کارواں تھا۔

چونکہ اس طرز فکر میں بالواسطہ یا بلا واسطہ حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے ادبوں کی ناحق تائید وطرفداری اور بیجا حمایت پائی جاتی ہے، اس لیے مجھے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ آج یا کل رب تعالیٰ کی جانب سے کہیں خذلان میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ یہ صحیح ہے کہ کفر وشرک سے بھی توبہ ہوتی ہے، لیکن حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے ادبی پر اصرار یا بے ادبوں کی ناحق تائید وطرفداری پر اصرار کے سبب توبہ کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے، اور خذلان طاری ہو جاتا ہے۔ اس لیے تائید سے پہلے ہزار بار سوچ لیا جائے۔

ایسے لوگ ہر ایک کی نظر میں خود کو معتدل نظریات پر قائم اور صالح افکار وخیالات کا حامل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس نظریہ کے پیچھے ان کے کچھ دنیاوی اغراض ومقاصد ہوتے ہیں۔ ان مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ لوگ کسی کی نظر میں برا نہیں بننا چاہتے۔ چاہے دربار الٰہی میں مردود ہی ٹھہریں۔ ارشاد الٰہی ہے: {اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ} (سورہ یوسف: آیت ۵) بے شک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔ (کنزالایمان) وہ انسانوں کو راہ حق سے دور کرنے کے لیے ہزار رنگ بدلتا ہے۔ ایسے پر خطر مواقع پر ہمیں مستحکم حکمت عملی استعمال کرنی ہوگی۔

کفر کلامی پر علما کے اتفاق کے بعد اختلاف جائز نہیں

چونکہ مسئلہ تکفیر سے متعلق حالیہ مباحثہ سوشل میڈیا پر جاری ہے، اس لیے میں نے اشخاص اربعہ کے مسئلہ تکفیر کی تفہیم، دفع شبہات اور خلیل بجنوری کے اعتراضات کے ابطال کے لیے ''رد الفساد'' کے نام سے تین قسطیں انٹرنیٹ پر اپ لوڈ کر دی ہیں۔ رد الفساد دراصل ''البرکات النبویۃ فی الاحکام الشرعیۃ'' کے ان مباحث پر مشتمل ہے، جن کا تعلق حالیہ اعتقادی بحران سے ہے۔ رد الفساد کے بعض اہم مباحث

ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) میں زیر بحث آئیں گے۔''البرکات'' سے ایک اقتباس،تشریحات اور بعض استفسارات درج ذیل ہیں۔

قال القاضی: {وَقَدْ اَحْرَقَ علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ مَنْ اِدَّعٰی لَہُ الْاِلٰھِیَّۃَ–وقد قتل عبد الملک بن مروان الحارث المتنبی وَصَلَبَہ –وَفَعَلَ ذلکَ غیر واحدٍ من الخلفاء والملوک باشباھھم–وَاَجْمَعَ علماء وقتھم علٰی صواب فعلھم–وَالمُخَالِفُ فِیْ ذٰلِکَ مِنْ کُفْرِھِمْ کَافِرٌ}(کتاب الشفاء ج۲ص ۲۹۷)

قال الخفاجی:{(واجمع علماء وقتھم علٰی صواب فعلھم)ای تصویبہ اَوْ ھو من اضافۃ الصفۃ للموصوف–و ذلک لکذبھم عَلَی اللّٰہ بِاَنَّہ نَبَّأَھُمْ و تکذیب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی–انہ خاتم الرسل–وَاَنَّہ لَانبی بعدہ(و) اَجْمَعُوْا اَیْضًا عَلٰی(اَنَّ الْمُخَالِفَ فِیْ ذٰلِکَ)اَیْ تَکْفِیْرِھِمْ بِمَا اِدَّعُوْہُ(مِنْ کُفْرِھِمْ)ھومفعول المخالفِ اَیْ مَنْ خَالَفَ مَذْھَبَھُمْ فی تکفیرھم فَقَالَ:لَا یُکَفَّرُوْنَ(کَافِرٌ)لانہ رضی بِکُفْرِھِمْ وَتَکْذِیْبِھِمْ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہ}(نسیم الریاض ج۴ص ۵۳۶)

قال الملا علی القاری:{(والمخالف فی ذلک)الفعل(مِنْ کُفْرِھِم)اَیْ مِنْ جھتہ(کَافِرٌ)لِجَحْدِہ کُفْرَھُمْ}

(شرح الشفاء للملا علی القاری ج۴ص ۵۳۷-دارالکتب العلمیۃ بیروت)

قال المحشی علی محمد البجاوی المصری:{من خالف مکفرھم فی تکفیرھم،فقال:لا یکفرون،ھذا المخالف کافر،لانہ رضی بکفرھم وتکذیبھم للّٰہ ورسولہ}(حاشیۃ الشفاء ص۱۰۹۱-دارالکتاب العربی بیروت)

(البرکات النبویۃ فی الاحکام الشرعیۃ: الرسالۃ الثانیۃ)

سوال: قاضی عیاض مالکی نے فرمایا کہ کسی کے کافر ہونے پر اجماع ہوجانے کے بعد اس کافر کے کافر ہونے کا انکار کرنے والا کافر ہے۔یہاں کون سا اجماع قاضی عیاض مالکی اور علامہ خفاجی حنفی کی مراد ہے؟ میں نے ارباب حل وعقد کا اجماع سمجھا۔تفصیل حسب ذیل ہے۔

وضاحت : قاضی عیاض مالکی نے اس مقام پر ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے،جن پر علمائے کرام نے حکم کفر جاری کیا ہے۔سیاق وسباق سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کافر کی تکفیر اور اس کی تصویب پر علمائے وقت کے اجماع کا ذکر ہے۔یہ قول وفعل کے کفریہ ہونے پر اجماع کا ذکر نہیں۔

یہاں دو امر ہیں(۱) کسی قول یا فعل کا بالاجماع کفر ہونا(۲) کسی قائل یا فاعل کا بالاجماع کافر ہونا۔مذکورہ عبارت میں امر ثانی کا بیان ہے۔کفر کلامی کا فتویٰ جاری کرنے کا حق علمائے متکلمین کو ہے۔خالص فقہا جو علم کلام کے اصول وضوابط اور دقائق وحقائق سے کما حقہ واقف نہ ہوں،انہیں یہ حق نہیں۔رد الفساد قسط دوم وقسط سوم میں اس کی توضیح مرقوم ہے۔علمائے متکلمین کے علاوہ دیگر مومنین کا منصب سائل کا ہوگا۔ارشاد الٰہی ہے:{فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون}(سورہ انبیا: آیت ۷)

کفر اجماعی: قاضی عیاض مالکی (۴۷۶ھ-۵۴۴ھ) کی مذکورہ بالاتحریر اور علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی (۹۷۷ھ-۱۰۶۹ھ) وملا علی قاری حنفی (۹۳۰ھ-۱۰۱۴ھ) کی تشریح سے واضح ہوگیا کہ اگر کسی عہد میں کسی کے کفر پر اجماع ہوجائے تو بعد والوں کو اختلاف کا حق حاصل نہیں۔کفر فقہی کو کفر اختلافی کہا جاتا ہے،کیونکہ علمائے متکلمین اس سے متفق نہیں ہوتے۔کفر کلامی کو کفر اجماعی اور کفر قطعی کہا جاتا ہے۔اس امر(قول یا فعل) کے کفر ہونے پر اجماع امت ہوتا ہے،،لہٰذا اتفاق کفر کلامی ہی پر ہوسکتا ہے،نیز کفر کلامی میں جہات ثلاثہ(کلام،متکلم و تکلم) قطعی بالمعنی الاخص ہوتی ہیں،اس لیے اسے کفر قطعی کہا جاتا ہے،یعنی(۱) کلام کا کفریہ ہونا قطعی بالمعنی الاخص ہو(۲) قائل کی جانب کلام کی نسبت قطعی بالمعنی الاخص ہو(۳) کلام کے معانی کی فہم کے ساتھ قصداً بلا جبر واکراہ بحالت ہوش وحواس اس تکلم کا صادر ہونا قطعی بالمعنی الاخص ہو۔

اجماع شرعی : اجماع فقہی کا انعقاد اسی وقت ہوگا،جب کسی امر پر اس عہد کے تمام مجتہدین صالحین کا اتفاق ہوجائے،کیونکہ مجتہدین کی تعداد ہمیشہ انتہائی قلیل رہی،حتیٰ کہ قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جماعت عظمیٰ میں صرف بیس

کے قریب فقہائے مجتہدین ہیں۔ مذہب اسلام میں امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ-۲۴۱ھ) کے بعد کسی کے مجتہد ہونے پر علمائے اسلام کا اتفاق نہیں ہوسکا۔ قلت تعداد کے سبب ایک عہد کے فقہائے مجتہدین کا ایک جگہ جمع ہونا، یا ان تمام کی رائے معلوم کرنا مشکل نہیں۔ اس کے باوجود دوصدی بعد اس اجماع کا ادراک بھی مشکل ہوگیا۔ امام اہل سنت نے لکھا: ''اجماع شرعی جس میں اتفاق ائمہ مجتہدین پر نظر تھی، علما نے تصریح فرمائی کہ بوجہ شیوع وانتشار علما فی البلاد دوصدی بعد اس کے ادراک کی کوئی راہ نہ رہی''۔ (فتاویٰ رضویہ ج۱۹ص۵۹۴: جامعہ نظامیہ لاہور)

اجماع اہل حل وعقد : حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی خلافت کو اجماعی تسلیم کیا گیا، اورارباب حل وعقد کا اجماع کافی سمجھا گیا، یعنی مدینہ منورہ میں موجود حضرات صحابہ انصار ومہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اتفاق کافی ہوا، کیونکہ تمام مسلمانان عالم کا مدینہ طیبہ حاضر ہونا مشکل تھا، اسی طرح ہر ایک کی رائے معلوم کرنی بھی مشکل تھی۔ کتب عقائد میں خلافت خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماعی ہونے کے دلائل مرقوم ہیں۔ بعض صحابہ کرام نے ابتدائی مرحلہ میں بیعت نہ کی تو بعد میں بیعت کی، اوراگر بعد میں بھی بیعت نہ کی تو بھی اس خلافت کو تسلیم کیا، جیسے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مدت بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت نہ کی۔ ارباب حل وعقد کا اتفاق تمام مومنین کا اتفاق تسلیم کیا گیا۔ اسی اتفاق کے سبب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت مرتضوی کو تسلیم کیا، ان کا اختلاف قصاص عثمانی سے متعلق تھا۔

کافر کلامی کے کفر پر اجماع : اجماع برخلافت کی طرح کفر کلامی میں بھی ارباب حل وعقد علمائے متکلمین کا اتفاق کافی ہوگا، کیونکہ علمائے متکلمین کی تعداد فقہائے مجتہدین کی طرح بہت کم نہیں۔ ان تمام کا یکجا ہونا بھی مشکل، اوران تمام کی رائے معلوم کرنی بھی ایک مشکل امر ہے، نیز کفر کلامی کا ایک ہی قانون ہے کہ جہات ثلاثہ یعنی کلام، متکلم اور تکلم قطعی بالمعنی الاخص ہوجائے، یعنی کسی جہت میں نہ احتمال بالدلیل باقی ہو، نہ ہی احتمال بلا دلیل۔ اب ہر جہت قطعی بالمعنی الاخص ہوگئی تو اس میں کسی اختلاف کی گنجائش بھی باقی نہیں رہی۔

کفر کلامی میں اتفاق کا مفہوم صرف یہ ہوگا کہ احتمال باطل کا وہم بھی دور ہوجائے، یا مفتی کی خطا کا وہم دور ہوجائے، کیوں کہ ممکن ہے کہ مفتی نے کسی جہت کو قطعی بالمعنی الاخص یقین کرلیا اوروہ جہت نفس الامر میں قطعی بالمعنی الاخص نہ تھی۔ فقہائے مجتہدین کے مسائل اجتہادیہ میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ہر مجتہد کے اصول اجتہاد اور قواعد استنباط جدا گانہ ہوتے ہیں، اور ہر مجتہد کے قواعد واضوابط دلائل شرعیہ سے ماخوذ ومستنبط ہوتے ہیں۔ اصول اجتہاد کے اختلاف کے سبب مسائل اجتہادیہ میں اختلاف واقع ہوتا ہے۔ کفر کلامی میں قانون ایک ہی ہے، اس لیے قانونی طور پر اختلاف کی گنجائش نہیں۔ مفتی کی خطا کے سبب یا مخالف کے عدم تحقیق کے سبب اختلاف ممکن ہے، پھر جب اس عہد کے اکابر علمائے متکلمین نے اس کی تفتیش وتحقیق کے بعد تائید وتصدیق کردی ہو تو اب مفتی کی خطا کا وہم بھی زائل ہوگیا، اب اس فتویٰ کفر سے اختلاف کی اجازت نہیں ہوگی۔ خواہ فتویٰ کفر صادر کرنے کے اہل علما نے ذاتی تحقیق کی ہو، یا نہ کی ہو۔ نہ ہی یہ مسئلہ اجتہادی ہے، نہ اجتہادی اختلاف کی گنجائش ہے۔

دفع شبہات : کفر کلامی میں کسی عالم کو شبہہ ہو تو وہ ان علما سے دریافت کرسکتے ہیں، جن کے یہاں یہ امر قطعی بالمعنی الاخص کے درجہ تک پہنچ گیا، جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکرین زکات کے خلاف حکم جہاد جاری فرمایا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا شبہہ پیش فرمایا، رفع شبہہ کے بعد فرمایا:{فَوَ اللّٰہِ مَا ھُوَ اِلَّا اَنْ رَأَیْتُ اللّٰہَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ اَبِیْ بَکْرٍ لِلْقِتَالِ-فَعَرَفْتُ اَنَّہُ الْحَقُّ}(صحیح مسلم ج ا ص ۳۷-صحیح البخاری، سنن النسائی، سنن الترمذی، سنن ابی داؤد، مسند احمد بن حنبل، شعب الایمان للبیہقی)

عہد تحقیق میں کلام، متکلم یا تکلم میں کسی احتمال کے سبب کفر کلامی میں وقتی اختلاف ممکن ہے، دائمی اختلاف کی گنجائش نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی عالم تحقیق ہی نہ کرے، تاکہ اس کے یہاں کوئی ایک، یا دو یا تینوں جہت قطعی کے درجہ تک نہ پہنچ سکے، اوروہ دیگر علمائے متکلمین سے اختلاف کرتا پھرے۔ کلام میں احتمال اسی وقت ہوگا، جب وہ مفسر یعنی متعین فی الکفر نہ ہو، بلکہ متردد ہو، پھر متکلم کے بیان سے متعین فی الکفر

ہو گیا ہو۔ کفر کلامی پر ارباب حل وعقد کے اجماع کے بعد اختلاف کی گنجائش نہیں۔ ابتدائی عہد میں اشخاص اربعہ پر فتویٰ کفر جاری کرنے میں علما نے احتیاط فرمائی، اور قول کا کفریہ ہونا ظاہر فرمادیا، تاکہ قائل توبہ کرلے۔ جب قائلین توبہ کی جانب بالکل مائل نہ ہوئے تو کفر کلامی کا حکم جاری کیا گیا۔ ابتدائی عہد میں بعض علما کو اشخاص اربعہ کی عبارتوں کا علم نہ تھا، جب علم ہوا تو تکفیر کی، جیسے علامہ معین الدین اجمیری (الصوارم الہندیہ ص ۱۷) تقدیس الوکیل پر حاجی امداداللہ مہاجر مکی اور شیخ الاسلام انواراللہ فاروقی کی تصدیق ہے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی تکفیر اشخاص اربعہ کے قائل ہیں (الطاری الداری) پیر کرم شاہ ازہری نے تحذیرالناس کی تائید سے رجوع کرلیا تھا (حسام الحرمین کے سوسال ص ۲۶)

علمائے حرمین: حرمین طیبین میں سلطنت عثمانیہ کی جانب سے مذاہب اربعہ کے قضات ومفتیان مقرر ہوتے۔ ان کے علاوہ بھی مذاہب اربعہ کے علما وفقہا وہاں قیام پذیر ہوتے، وہ فقہ وافتا میں ارباب حل وعقد کی منزل میں شمار کیے جاتے۔ سلطنت عثمانیہ کا دار السلطنت استنبول تھا، لیکن حرمین طیبین میں مفتیان مذاہب اربعہ کو مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ حج وزیارت وعمرہ وغیرہ کے لیے مسلمانان عالم کی آمدورفت حرمین طیبین میں جاری رہتی۔ ملک ہند کے متعدد اہم فتاویٰ علمائے حرمین طیبین کو تصدیق وتحقیق کے لیے پیش کیے گئے۔ چند مثالیں یہ ہیں (۱) علامہ فضل حق خیرآبادی قدس کا فتویٰ کفر براسماعیل دہلوی (۲) علامہ غلام دستگیر قصوری کا رسالہ ''تصدیق الوکیل عن توہین الرشید والخلیل'' (۳) رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ متعلقہ خلف وعید (۴) فتاویٰ متعلقہ ندوۃ العلما (فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین) (۵) استفتا متعلقہ اشخاص خمسہ (حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین) (۶) المہند علی المفند (رسالہ خلیل انبیٹھوی)

ان حقائق سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سنی ودیوبندی ہر دو طبقہ کے یہاں علمائے حرمین طیبین باب فقہ وافتا میں ارباب حل وعقد کی منزل میں تھے۔ علمائے حرمین طیبین نے امام اہل سنت کے استفتا کا جواب تحقیق وتدقیق کے بعد دیا ہے۔ ملک العلما حضرت علامہ سید ظفر الدین محدث بہاری (۱۸۸۰ء-۱۹۶۲ء) نے تصدیقات علمائے حرمین طیبین کا مفصل ذکر امام اہل سنت کی زبانی تحریر فرمایا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ''مکہ معظّمہ کی طرح زیادہ اہم حسام الحرمین کی تصدیقات تھیں، جو بحمد اللہ تعالیٰ بہت خیر وخوبی کے ساتھ ہوئیں۔ زیادہ زمانہ قیام انہیں میں گزر گیا کہ ہر صاحب پوری کتاب مع تقریظات مکہ معظّمہ دیکھتے، اور کئی کئی روز میں تقریظ لکھ کر دیتے''۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج ۱ص ۴۵۱)

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے حج کے بعد ماہ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۰۶ء میں علمائے مکہ معظّمہ سے تصدیقات حاصل کرنی شروع کیں، پھر وہاں سے 24: صفر المظفر ۱۳۲۴ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۰۶ء کو مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں 21: دن قیام پذیر رہے۔ اخیر ربیع الاول ۱۳۲۴ھ مطابق مئی ۱۹۰۶ء میں اپنے وطن کے لیے روانہ ہوئے۔ مکہ معظّمہ کے 20: اکابر علمائے کرام اور مدینہ منورہ کے 13: اعاظم علمائے کرام نے تصدیق کی۔ ان میں حرمین طیبین میں مذاہب اربعہ کے قضات اور دیگر علما وفقہا بھی شامل ہیں۔

امام اہل سنت نے فتاویٰ رضویہ اور دیگر کتب ورسائل میں جابجا تحریر فرمایا ہے کہ علمائے حرمین طیبین نے ان لوگوں پر کفر کا فتویٰ دیا، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اس فتویٰ پر ارباب حل وعقد کے اتفاق کی جانب اشارہ فرمارہے ہیں۔ الوہیت مرتضوی کے دعویداروں کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلادیا تھا۔ آج ان مدعیان الوہیت کو جو مومن سمجھے، وہ یقیناً کافر ہے۔ ''من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر'' کا مفہوم یہی ہے؟ بعض لوگ قادیانی کو کافر مانتے ہیں، لیکن اشخاص اربعہ کو نہیں، جب کہ پانچوں کافر کلامی ہیں۔ پانچوں افراد سے متعلق فتویٰ کفر ایک ہی جگہ حسام الحرمین میں جاری ہوا۔ قادیانی کے بارے میں دیابنہ بھی کہتے ہیں کہ جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے، وہ کافر ہے۔

تکفیر اشخاص اربعہ کے مسئلہ میں اگر عالمی سطح پر ارباب حل وعقد کا اجماع درکار ہے تو ''حسام الحرمین'' میں علمائے حرمین طیبین کے علما وفقہا کی تصدیقات موجود ہیں، جیسے مدینہ منورہ میں موجود حضرات صحابہ انصار ومہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا خلفائے راشدین کی خلافت پر اجماع تمام امت کے اجماع کے قائم مقام ہے، وہی صورت حال خلافت عثمانیہ ترکیہ کے عہد میں حرمین طیبین کے قضات وفقہا کی تھی۔

اگر ملکی پیمانے پر ارباب حل وعقد کے اجماع کی ضرورت ہے تو ''الصوارم الہندیہ'' موجود ہے۔ مرقومہ بالا تشریح کے تناظر میں اشخاص

اربعہ کے مسئلہ تکفیر پر بحث ومباحثہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے، کیونکہ اجماع کے بعد قیل وقال کی اجازت نہیں ہوتی۔اجماع فقہی کا بھی یہی حکم ہے۔دیابنہ اگرحق کی طرف آنا چاہیں تواپنے اکابرین سے قطع تعلق کر کے تمام احکام اسلامی کوقبول کرلیں۔اب یقیناً اشخاص اربعہ کے رجوع کا معاملہ لاینحل ہو چکا ہے، کیوں کہ بعد موت توبہ کی گنجائش نہیں۔

اسماعیل دہلوی پرعلامہ فضل حق خیرآبادی قدس سرہ العزیز نے کفر فقہی کا فتویٰ دیا تھا،امام احمد رضا اس کے کفر فقہی کوتسلیم کرتے ہیں، اور بحکم فقہا اسے کافر مانتے ہیں۔مذہب متکلمین کے اعتبار سے وہ کافرنہیں،اس لیے اسے باعتبار متکلمین کافرنہیں کہتے۔اب ایسی صورت میں علامہ فضل حق خیرآبادی اورامام احمد رضا قادری میں کسی قسم کا اختلاف ہی نہیں، یہاں دونوں عالموں کے مابین اختلاف بتانا صحیح نہیں۔

افاضات مبارکہ: خیرالاذکیا،صدرالعلمادام ظلہ الاقدس (سابق شیخ الجامعہ: الجامعۃ الاشرفیہ،مبارکپور)

مضمون حاضر کا حصہ ''کفر کلامی پرعلماکے اتفاق کے بعد اختلاف جائزنہیں'' تصحیح کے لیے استاذ رفیع المراتب حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ الاقدس کی خدمت میں بھیجا تھا۔ممدوح گرامی نے تصحیح کے ساتھ ایک وضاحتی تحریر کا اضافہ فرمایا۔وہ تحریر بلفظہ منقولہ ذیل ہے۔

''ان بحثوں سے قطع نظر اصل مبحث پرآئیے۔تمام ضروریات دین کو ماننا ایمان ہے،اورضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔اسی طرح ضروریات دین سے متعلق یقین واذعان اورتسلیم وقبول سے خالی ہونا، یاان سے متعلق تردداور شک وشبہہ میں پڑے رہنا بھی کفر ہے۔جب ایمان حاصل نہ ہواتو کفر ضرور ہوگا،اس لیے کہ کفروایمان کے درمیان واسطہ نہیں۔

ضروریات دین میں سے توحید ورسالت، قیامت اورحشر ونشر بھی ہیں۔اگرزید ساری باتوں کو مانتا ہے،مگر قیامت کا انکار کرتا ہے تو وہ مومن نہیں۔اس کی تکفیر ہراس شخص پرضروری ہے، جواس کے انکار قیامت پر قطعی طور پرآگاہ ہے۔جیسے ہی کسی کو زید کے انکار قیامت کا علم قطعی حاصل ہوا،اس پراس کی تکفیر فرض ہوگئی۔اب بھی اگروہ زید کومسلمان سمجھتا ہے تو وہ خود مسلمان نہیں اورانکار قیامت میں وہ بھی زید کا شریک ہے۔

کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس منکر شخص معین یعنی زید کی تکفیر پر جب ساری امت کا اجماع ہوجائے گا،تب وہ شخص قابل تکفیر ہوگا،ورنہ اس کی تکفیر سے کف لسان ضروری ہوگا۔یہ کھلا ہوا مغالطہ اورصریح دَور کا التزام ہے،جس کا ارتکاب کسی عاقل منصف سے متوقع نہیں۔

اسی طرح ختم نبوت بمعنی متواترعن الصحابہ کا انکار یااہانت رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا ارتکاب کفرقطعی کلامی ہے۔جن معین افراد سے متعلق ارتکاب کفر کا علم قطعی حاصل ہوگیا،ان کی تکفیر لازم ہوگئی۔اس سے انحراف،اسلام سے انحراف اورکفر میں دخول ہے۔انسان اسلام کو پوری طرح اپنائے،اورکفر سے ہرطرح بچے،جبھی اس کے لیے نجات ہے،ورنہ دائمی خسران وہلاک ہے: وماعلینا الا البلاغ''۔(انتہی بلفظہ)

الحاصل یہاں دوامر ہیں (۱) امراول: ضروریات دین کے منکر کا بوقت وجود شرائط کافرکلامی ہونا تو یہ اجماعی ہے: {من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر}۔یہ اسلامی قانون اورقاعدہ کلیہ ہے۔(۲) امر دوم: تشخیص وتعیین کے ساتھ کسی خاص شخص یاخاص جماعت کے کافر کلامی ہونے پراجماع منعقد ہونا۔اس کی دوصورت ہے (الف) اس خاص شخص یاخاص جماعت کے کافرکلامی ہونے کا فتویٰ کسی ایک مفتی نے جاری کیا ہو ، پھرسبھوں نے اتفاق کرلیا،اس طرح یہ اجماعی ہوگیا، جیسے منکرین زکات کے خلاف حکم جہاد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاری فرمایا، بعد میں صحابہ کرام کا اس پراجماع ہوگیا۔(ب) اجماعی طورپراصحاب حل وعقد نے کسی خاص شخص یاکسی خاص جماعت پرکافرکلامی ہونے کا فتویٰ صادر کیا تو یہ ابتداہی سے اجماعی رہا، جیسے عہد صدیقی میں دعویداران نبوت یعنی اسودعنسی وغیرہ کے خلاف حکم جہاد تو صحابہ اس پر ابتدا سے متفق تھے۔تکفیر پرعلما کے اجماع سے حکم کی تاکید ہوگی ،ورنہ ضروریات دین میں سے کسی امر کا منکر کافر ہے۔بعض تکفیر کی علمانے مخالفت بھی کی ہے، جیسے شیخ اکبرابن عربی کے برخلاف ابن تیمیہ حرانی کا فتویٰ کفر تو یہ قانون تکفیر کے خلاف تھا۔ردالفساد میں تفصیل مرقوم ہے۔

عہد حاضر میں مرزا قادیانی اورخمینی ایرانی کے کافر ہونے پراجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔یہاں بھی ارباب حل وعقد کا اجماع مرادلیا جاتا ہے۔☆

دبستان ہفت رنگ

مشائخ اہل سنت کے مکتوبات،قارئین "پیغام شریعت" کے تأثرات،دانشوران قوم وملت کی فکری تحریرات، ارباب علم وفضل کے مختصر مقالات کے لیے مستقل کالم=ای میل: tariqueanwer313@gmail.com

مکتوب گرامی: حضرت علامہ سید شمیم گوہر صاحب قبلہ (خانقاہ حلیمیہ :الٰہ آباد)

حضرت گرامی علامہ مفتی فیضان المصطفٰی قادری صاحب قبلہ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاج گرامی !

عرض ہے کہ تازہ شمارہ دسمبر ۲۰۱۷ء سے قبل بھی ماہنامہ "پیغام شریعت" دہلی کے متعدد شمارے باصرہ نواز ہوتے رہے۔کرم وعنایت ۔ فقیر تأثر نامہ خدمت میں روانہ کیا تھا، وہ واپس آ گیا، دوبارہ پھر ارسال کرتا ہوں۔دنیائے جرائد ورسائل میں ماہنامہ "پیغام شریعت" دہلی کا معیاری اجرا فال نیک اور قابل قدر اضافہ ہے۔دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔دعا ہے رب قدیر اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں پیغام شریعت کو عمر طویل عطا فرمائے اور تادیر احکام وفرائض اور مسائل وفتاویٰ کی خدمات کا موقع مرحمت فرمائے: آمین

ہر رسالہ عموماً اپنے بنیادی منصوبہ وتحریک اور مطمح فکر ونظر سے منسلک ہوتا ہے۔یہی نشاندہی آپ کا رسالہ بھی کرتا ہے۔جذبہ مخصوص اور جوش برتری کے ماحول نے اجتماعی خدمات کو کافی متأثر کر رکھا ہے، تاہم رکھوالی کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں۔رسالے کو اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلتوں ،شہدائے کربلا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عظمتوں اور بے شمار روحانی خانقاہوں کی آفاقی وقدیمی خدمات کے سائے میں رکھنا بھی ضروری ہے۔پیغام شریعت جس کاتب نے بھی لکھا، کمال کر دیا، بہت بہت مبارکباد۔برائے کرم رسالہ روانہ کرتے رہیں ۔ان شاءاللہ خریداری رقم بھی جلد ہی روانہ کروں گا۔ طالب دعا: فقیر سید شمیم احمد گوہر ۲۷/۱۱/۲۰۱۷ء

آنکھ سے دور سہی، دل سے کہاں جائے گا؟

مولانا اشرف جیلانی: جامعہ قادریہ حیات العلوم (اکبر پور: یوپی)

13: فروری ۲۰۱۸ء بروز منگل پانچ بجے شام عمدۃ القرا حضرت علامہ قاری نور الحق علیہ الرحمہ کے وصال کی جانکاہ خبر موصول ہوئی۔خبر مشہور ہوتے ہی اہل سنت وجماعت کے تمام مدارس ومکاتب اور آپ کے تلامذہ ومتوسلین واحباب اہل سنت وجماعت میں رنج والم کی لہر دوڑ گئی۔یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ مسند تجوید وقرائت کی گود سونی ہو چکی ہے۔درس وتدریس کی رونق مدھم پڑ گئی ہے۔موصوف کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔آپ کو مختلف اسلامی علوم وفنون مثلاً فقہ،تفسیر، حدیث،ادب، منطق،فلسفہ،کلام پر مکمل درک حاصل تھا ۔حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز کی بافیض تربیت نے آپ کو سادگی ،عاجزی،صبر وقناعت، بلند اخلاقی جیسے اوصاف کا مجسم نمونہ بنا دیا تھا۔

ولادت وتعلیم وتربیت: آپ کی ولادت ۱۹۴۷ء میں اعظم گڑھ کے معروف قصبہ مبارک پور میں ہوئی۔آپ کے والد گرامی حضرت حافظ عنایت اللہ کا شمار مبارک پور کے مشہور حفاظ میں ہوتا تھا۔آپ کی تعلیم وتربیت شروع سے اخیر تک دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم (قصبہ مبارک پور: اعظم گڈھ) میں ہوئی۔۱۹۶۵ء میں آپ کو دستار فضیلت سے نوازا گیا۔اس کے بعد قرأت کی خصوصی تعلیم حاصل کرنے

کے لیے مدرسہ تجوید القرآن لکھنؤ میں داخل ہوئے، جہاں آپ نے ایک سال تک حضرت قاری ابن ضیاء محبّ الدین علیہ الرحمہ کی خدمت میں رہ کر قرأت سبعہ وقرأت عشرہ کی تعلیم حاصل کی۔

اساتذہ کرام: (۱) حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی (۲) حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی (۳) حضرت علامہ شفیع مبارکپوری (۴) حضرت علامہ سید حامد اشرف کچھوچھوی (۵) حضرت علامہ قاری یحییٰ مبارکپوری (۶) حضرت علامہ سید شمس الحق مبارکپوری (۷) بحرالعلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی (۸) حضرت حافظ وقاری ابن ضیاء محبّ الدین: رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین

تدریسی خدمات: آپ کی تدریسی خدمات نصف صدی کو محیط ہے۔ ۱۹۶۷ء میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے جامعہ اشرفیہ (مبارکپور) میں آپ کو شعبہ تجوید وقرأت کی تدریس کے لیے مقرر فرمایا۔ چار سال تک آپ شعبہ تجوید وقرائت میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۲ء میں آپ دارالعلوم محمدیہ (ممبئی) تشریف لے گئے، جہاں نائب شیخ الحدیث کی حیثیت سے تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا۔ درس نظامی کی منتہی کتابیں جیسے ابوداؤد شریف، ہدایہ اولین، ہدایہ آخرین، سراجی، مختصر المعانی، متنبّی اور جلالین شریف کا درس بحسن وخوبی دیتے رہے، اور بطور مفتی شرعی سوالوں کے جوابات بھی تحریر فرماتے تھے۔ شعبہ نظامی کی اہم کتابوں کی تدریس اور فتویٰ نویسی کی ذمہ داری سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فن تجوید وقرأت کے ساتھ آپ کو اسلامی علوم وفنون پر بھی مکمل عبور حاصل تھا۔ آپ ۱۹۹۰ء میں دوبارہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے، اور مسلسل 27 سال تک علم تجوید وقرأت کا درس دیتے رہے۔

خطابت ومناظرہ وتنظیمی خدمات: ریاست مہاراشٹر میں یک کامیاب مناظر وخطیب کے طور پر آپ کی کافی شہرت تھی۔ آپ نے محمد علی پارک، رتنا گیری میں وہابیوں اور دیوبندیوں کو زبردست شکست سے دوچار کیا تھا۔ تنظیمی صلاحیت بھی آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھی۔ مختلف تحریکوں اور تنظیموں میں اہم ذمہ داری سرانجام دیتے رہے۔ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے آپ کو تنظیم خاکساران حق کا جنرل سیکریٹری نامزد فرمایا تھا۔ تقریباً نصف صدی پر محیط آپ کی علمی واصلاحی، معاشرتی وتنظیمی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آج حضور قاری صاحب علیہ الرحمہ ہمارے درمیان نہیں رہے، لیکن آپ کی خدمات ہر ایک کے دل میں زندہ وتابندہ ہیں: (رحمہ اللہ تعالیٰ)

حالات حاضرہ اور اہل مدارس کی ذمہ داریاں

محمد فیصل نوری، متعلم: الجامعۃ الاشرفیہ (مبارکپور)

ہندوستان تکثیری ثقافت سے سجادھجا ایک انوکھا ملک ہے، جو صدیوں سے مختلف مذاہب اور تہذیب وثقافت کا گہوارہ ہونے کی حیثیت سے بین الاقوامی دنیا میں اپنی ایک شناخت رکھتا ہے۔ ملک کے آئین کے اعتبار سے بھی یہاں کے تمام باشندوں کو اپنے مذہبی افکار وعقائد اور زبان وکلچر کے تحفظ، ان کے استعمال اور ان کی ترویج واشاعت کا حق حاصل ہے، مگر ملک کے اقتدار پر قابض طاقتیں، ملک کی اس قابل فخر رنگارنگ تہذیب کو ختم کر کے ملک کی تمام مذہبی وتہذیبی اکائیوں کو ایک رنگ میں لانا چاہتی ہیں۔ وہ اپنے ہدف کو پانے کے لیے سرکاری سطح سے لے کر عوامی سطح تک سرگرم عمل ہیں۔

اخلاقی اقدار اور قومی کلچر کے نام پر برہمنی عقائد واساطیر کو اسکولی تعلیم کے قومی نصاب میں شامل کر دینے کی کوششیں ایک عرصہ سے جاری ہیں اور فروغ انسانی وسائل کا مرکزی وریاستی دفتر اپنے تمام تر اختیارات کے ساتھ اس مہم کو سر کرنے میں مصروف ہے۔ چنانچہ ایک طرف ''مدرسہ بورڈ'' کے عنوان سے مسلم اقلیت کے مذہبی تعلیمی اداروں کو اپنی خواہشات وترجیحات کے تابع بنا دینے کے دیرینہ منصوبہ پر عمل شروع کر دیا گیا ہے، تو دوسری طرف انھیں دہشت گردی کا مرکز بتا کر ان سے وابستہ افراد کو جارحیت اور تشدد کا شکار بنایا جا رہا ہے۔

مدارس اسلامیہ نے وطن عزیز کی آزادی اور ملک کے وقار وعزت کی بحالی کے لیے خود بھی قربانیاں دیں اور دوسروں کے اندر بھی جاں بازی وسرفروشی کا حوصلہ پیدا کیا۔ مدارس اسلامیہ نے وقت کی استبدادی قوت سے پنجہ آزمائی اور برٹش استعمار سے ملک کونجات دلانے کے لیے لاکھوں کی تعداد میں سپاہی اور ہزاروں کی تعداد میں قائد وسپہ سالار مہیا کیے۔ اسلامی تعلیم گاہوں نے اپنی تعلیم وتربیت کے ذریعہ علوم وفنون کے ایسے مینار تعمیر کیے کہ جن سے بین الاقوامی سطح پر ملک کا نام روشن ہوا۔ دینی مدارس اپنی طویل تاریخ میں ہندوستان کو سب سے بہتر شہری اور امن وامان کے داعی اور محافظ دیتے رہے ہیں۔ دین ومذہب، علم وہنر اور امن وآشتی کے ان مراکز کو آج اپنی مذموم ذہنیت اور پست اغراض کے تحت دہشت گردوں کی پناہ گاہ بتایا جارہا ہے، اور ان پر بے جا قدغن لگانے اور انھیں ان کے اصل منہاج ومقاصد سے منحرف کر دینے کے لیے انصاف وقانون ہی نہیں، بلکہ ملک کے آئین اور اس کی قدیم روایات کو پامال کیا جارہا ہے۔

ہم ملک کے ایک شہری ہونے کے ناطے بھی اور اپنے دین ومذہب کی تعلیم کی بنیاد پر بھی اپنی جنم بھومی اور وطن عزیز سے تاریخ کے ہر موڑ پر مکمل وفادار رہے ہیں۔ ملک کی عزت ووقار اور استحکام وترقی کے لیے ہم نے بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ اپنے خون جگر سے گلستانِ وطن کی آبیاری کر کے اسے لالہ زار بنایا ہے۔ اپنے علم وفن اور تہذیب وتمدن کے چراغوں سے ارض وطن کو روشن وتابناک کیا ہے، اس لیے فطری طور پر ہندوستان کے چپہ چپہ سے ہمیں پیار ہے اور بےلوث پیار ہے، پھر بھی ہمیں دہشت گرد بتا کر اور ہمارے مذہبی تعلیمی اداروں پر دہشت نوازی کا الزام عائد کر کے قومی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دینے کی مذموم کوششیں کی جارہی ہیں، اور یہ سب ملک وقوم کی فلاح وبہبود کے لیے نہیں، بلکہ امریکہ اور اس کے حاشیہ برداروں کی خوشنودی میں کیا جارہا ہے۔ تفو برتو اے چشم گردوں تفو!

اس موقع پر ہم صاف لفظوں میں واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہندوستان میں کسی کے رحم وکرم پر نہیں، بلکہ ملک کے ایک شہری کی حیثیت سے رہتے ہیں۔ یہی ہمارا مسقط رأس اور جنم بھومی ہے۔ اسی کی فضاؤں میں ہم پروان چڑھے ہیں۔ اس کی تعمیر وترقی میں ہم برابر کے شریک رہے ہیں، اس لیے اس ملک پر جتنا دوسروں کا حق ہے، اتنا ہی ہمارا بھی ہے۔ ملک کے آئین نے ہمیں حقوق شہریت میں مساوات کے ساتھ آزادی رائے، آزادیِ مذہب، اپنی تعلیم وثقافت کی حفاظت اور اس کے لیے تعلیمی ادارے قائم کرنے کے بنیادی حقوق دیئے ہیں۔

یہ حقوق ہمیں جان کی طرح عزیز ہیں، جن سے ہم کسی بھی حالت میں دست بردار نہیں ہو سکتے، لہٰذا ایک خاص فکر وذہنیت کے تحت ہمارے تعلیمی اداروں کے خلاف جو پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے، اور اس بہانے انھیں اپنے تسلط کے شکنجے میں کسنے کی مدرسہ بورڈ کے نام سے جو تدبیریں کی جارہی ہیں اور مذہبی درسگاہوں کی صاف وشفاف اور روشن دینی ومذہبی تاریخ کو مٹانے کی مذموم کوشش کی جارہی ہے۔ ہم اس کو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ قانون وانصاف اور آئین ودستور کے تقاضوں کے مطابق ہم اس کا ہر سطح پر بجان ودل مقابلہ کریں گے۔ خدائے رب العزت ہماری نیتوں میں اخلاص، ہمارے عزائم میں پختگی اور جہد وعمل کو بارآور اور نتیجہ خیز بنائے: آمین

ہم اہل مدارس سے بھی کہنا چاہتے ہیں کہ وہ حالات کی نزاکت کو محسوس کریں اور مایوسی وبیدلی اور کسی قسم کی حرص ولالچ کی بجائے عزم وحوصلہ اور حزم واحتیاط اور خدائے وحدہ لاشریک پر پورے توکل واعتماد کے ساتھ اپنے دینی وملّی فریضہ کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف رہیں، طلبہ علوم قوم وملت کی گراں قدر امانت ہیں جن کی تعلیم وتربیت اور ساخت وپرداخت کی عظیم ذمہ داری ہمارے سروں پر ہے، اگر خدانخواستہ ہم غفلت وبےتوجہی یا حکومت وقت کے بچھائے دام ہم رنگ زمیں میں پھنس کر اپنے اسلاف اور بزرگوں کے قائم کردہ منہج مستقیم سے ہٹ گئے تو یوم آخرت میں ہمیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اس لیے ہماری شرعی ذمہ داری ہے کہ ہم طلبہ عزیز کی تعلیمی وتربیتی سرگرمیوں پر نظر رکھیں، دیگر غیر ضروری مشاغل سے انھیں بچائیں، نیز مدارس کے ماحول کو گردوپیش کی آلودگیوں اور مدرسہ بورڈ کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کی جانب پوری توجہ دیں۔ اسی کے ساتھ خصوصی دعاؤں کا اہتمام کریں کہ اللہ رب العزت مدارس دینیہ کو ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ فرمادے: آمین ثم آمین

خیر وخبر

جشن دستار مفتیان اسلام وعرس سراپا قدس حضور فقیہ ملت قدس سرہ العزیز

مولانا اقبال احمد علیمی: استاذ مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج (بستی)

ہر سال کی طرح امسال بھی ۳ رجمادی الاخریٰ ۱۴۳۹ھ رمطابق ۲۰ رفروری ۲۰۱۸ء بروز سہ شنبہ مرکز تربیت افتا: دار العلوم امجدیہ اہل سنت ارشد العلوم اوجھا گنج (بستی) کے وسیع وعریض صحن میں جشن دستار مفتیان اسلام وعرس فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد قادری امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان بڑے ہی تزک واحتشام سے منایا گیا۔ سب سے پہلے بعد نماز فجر مزار اقدس پر قرآن خوانی وفاتحہ کی ایک مجلس کا انعقاد کیا گیا اور پھر بعد نماز عصر امجدی منزل جو کہ حضور فقیہ ملت علیہ الرحمہ کا دولت خانہ ہے،ورد یگر جگہوں سے جلوس کی شکل میں مزار کے لیے چادروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، اور بعد مغرب لنگر شریف کی تقسیم کا آغاز ہوا، جو کافی رات تک چلتا رہا۔

عشا کی نماز کے بعد جلسے کا آغاز حافظ محمد شاداب رضا صابق متعلم دار العلوم امجدیہ اوجھا گنج نے تلاوت قرآن کریم سے کیا، پھر نعت ومنقبت ہوئیں اور حصرت مولانا کمال احمد صاحب علیمی، حضرت مولانا محمد یوسف رضا بھیونڈی اور حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین برکاتی براؤں شریف، نبیرہ حضور شعیب الاولیا صاحبزادہ مولانا آصف علوی ازہری کے پرمغز بیانات ہوئے۔ حضرت مولانا محمد یوسف رضا بھیونڈی کے ہاتھوں حضرت مولانا مفتی نور الحسن علیمی امجدی کی دادہ کتاب ''دعا بعد نماز'' اور حافظ سید بہاء المصطفیٰ متعلم ادارہ ھذا کی کتاب ''دعاوں کا ذخیرہ احادیث کی روشنی میں'' کی رسم اجرا عمل میں آئی۔ دو بج کر ۵۵: منٹ پر قل شریف شروع ہوا۔

صاحب سجادہ شہزادہ حضور فقیہ ملت حضرت مولانا انوار احمد قادری امجدی نے شجرہ عالیہ قادریہ برکاتیہ امجدیہ پڑھا اور ممتاز الفقہا حضور محدث کبیر علامہ محمد ضیاء المصطفیٰ قادری نائب قاضی القضاۃ فی الہند نے ہندوستان اور عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کے لیے دعا فرمائی۔ اس کے بعد ایک بار پھر نعت ومنقبت اور تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں حضرت مولانا مفتی ابو طالب صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد اختر حسین قادری علیمی نے فرمایا کہ حضور فقیہ ملت علیہ الرحمہ کی پوری حیات درس وتدریس وتصنیف وتالیف اور رشد وہدایت سے عبارت ہے۔ آپ مسلک اعلیٰ حضرت کے بے باک، سچے پکے اور مخلص ترجمان تھے۔ آپ کی تحقیق وتدقیق کا محور امام اہل سنت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ تھے۔ آپ حضور اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ کے تفقہ پر کامل اعتماد رکھتے تھے، اسی وجہ سے کبھی بھی آپ نے کسی ایسے موقف کو نہیں اپنایا جو مرکز اہل سنت بریلی شریف کے خلاف رہا ہو۔ آپ اپنے فتاوی میں جگہ جگہ اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند اور صدر الشریعہ کا بڑے والہانہ انداز میں ذکر جمیل کرتے ہیں۔ آپ مرکز تربیت افتا قائم کر کے مسلک اہل سنت، مسلک اعلیٰ حضرت کی ترجمانی فرماتے رہے۔

جلسہ کے آخری حصہ میں ممتاز الفقہا محدث کبیر حضرت ضیاء المصطفیٰ قادری، شہزادہ حضور صدر الشریعہ حضرت علامہ بہاء المصطفیٰ قادری شیخ الحدیث جامعۃ الرضا بریلی شریف، حضرت علامہ اعجاز احمد نوری، حضرت علامہ مولانا انوار احمد قادری، حضرت علامہ مفتی ابرار احمد قادری، حضرت علامہ مفتی ازہار احمد صاحب مصباحی ازہری، حضرت علامہ مفتی محمد اختر حسین صاحب قادری علیمی اور دیگر علمائے کرام ومفتیان ذوی الاحترام کے ہاتھوں ادارہ سے فارغ ہونے والے مفتیان اسلام کی دستار بندی کی رسم ادا کی گئی، پھر حضور ممتاز الفقہا محدث کبیر مدظلہ العالی نے فقہ وافتا کے موضوع پر ایک پرمغز خطاب فرمایا اور آپ ہی کی دعاؤں پر اس نورانی، عرفانی اور علمی جلسہ کا اختتام ہوا۔ ☆☆☆☆

R.N.I. NO. DELURD/201565657
Publishing Date : 20
Advance Month

Postal Registration DL (DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages With Title Cover, Weight 95 grams
Posting Date : 20 & 22

Paigam E Shariat Monthly

Vol: 03 Issue: 31 APRIL-2018

۷۸۶/۹۲

۲۳ ؍رواں سالانہ عظیم الشان اجلاس بنام

انوار رضا کانفرنس و جشن دستار بندی

منعقدہ

بمقام: جامعہ عبداللہ بن مسعود، گلشن کالونی، ۹۲ ؍رویسٹ چوباگا، کولکاتا 700100-

ودارالعلوم قادریہ ضیائے مصطفیٰ، نوری مسجد، تلجلا روڈ، کولکاتا 700046-

بتاریخ: بہ ترتیب ۴ ؍۵ ؍مئی ۲۰۱۸ء مطابق ۱۷ ؍۱۸ ؍شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ کے موقع عظیم پر

سرکار سُرکانھی سیمینار

بتاریخ ۴ ؍مئی ۲۰۱۸ء مطابق ۱۷ ؍شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ بروز جمعہ، بعد نماز جمعہ تا مغرب

بمقام: سرکارِ سُرکانہی کانفرنس ہال، جامعہ عبداللہ بن مسعود

انعقاد پزیر ہورہا ہے۔ اہل قلم حضرات سے پرزور گزارش ہے کہ وقت مقررہ پر اپنے قیمتی اور مؤقر مقالہ جس میں آپ کی دانست کی روشنی میں شیخ المشائخ محبوب الاولیاء غوث زمن الحاج الشاہ محمد تیغ علی الملقب بہ ''سرکار سُرنہی'' المتوطن سُرکانہی شریف، ڈاک خانہ قابل پور، تھانہ کانٹی، ضلع مظفرپور کے حالات زندگی اور ان کی خدمات اور دینی کارگزاریوں کے غیر معمولی اور اہم گوشے جو بالکل صحیح اور حقیقت پر مبنی ہوں لیکر تشریف لائیں۔ ان شاءاللہ آمد و رفت کے کرایہ کے ساتھ معقول نزرانہ پیش کیا جائے گا۔ اور جو لوگ سیمینار میں شریک نہیں ہوسکتے ہوں وہ اپنا مقالہ ۱۰ ؍اپریل ۲۰۱۸ء تک ارسال فرمادیں، ادارے سے حق خدمت پیش کیا جائے گا۔ ان شاءاللہ عزوجل

العارض

محمد رحمت علی تیغی قادری مصباحی

بانی و سربراہ جامعہ عبداللہ بن مسعود، گلشن کالونی، ۹۲ ؍رویسٹ چوباگا، کولکاتا۔ ۷۰۰۱۰۰

ودارالعلوم قادریہ ضیائے مصطفیٰ نوری مسجد، تلجلا روڈ، کولکاتا۔ ۷۰۰۰۴۶

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim
Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at: M/s A/a Printing Press
3636 Katra Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Publishing from: H.No. 422, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali
Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006

